جلد نمبر ۸ شمارہ ۲۳	کراچی : ہفتہ - ۹ - جولائی ۱۹۵۵ء	قیمت چار آنہ سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

گزشتہ اقساط میں بتایا جاچکا ہے کہ قرآن کی رو سے فرقہ پرستی شرک ہے - یہ پیدا ہوتی ہے قرآن کو چھوڑنے سے اور اس کے مٹانے کی واحد شکل یہ ہے کہ پوری امت انسانوں کی خود ساختہ شریعت کو چھوڑ کر خدا کی کتاب کو واحد اور مکمل ضابطہ' حیات تسلیم کرے -

قرآن کی رو سے دین اور دنیا، مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں اس لئے فرقہ پرستی سے اس کی مراد مذہبی فرقے ہی نہیں بلکہ سیاسی پارٹیاں بھی ہیں - چنانچہ جب اس نے حکمت کلیمی کے مقابلہ میں حکمت فرعونی کا ذکر کیا ہے تو اس نے کہا یہ ہے کہ فرعون کرتا یہ تھا - ان فرعون علافی الارض و جعل اھلھا شیعاً (۲۸/۴) - کہ وہ سر زمین مصر میں اپنی قوت و اقتدار سے کام لے کر ملک کے باشندوں کو پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا تھا - اور ایک پارٹی کو تقویت دیکر دوسری کے ساتھ بھڑا دیا کرتا تھا - یہی وہ پارٹی بازی ہے جس سے دور حاضرہ کی فرعونی سیاست کو فروغ ملتا ہے - اور اسی کو مٹانے کیلئے قرآن آیا تھا - لیکن بدبختی ملاحظہ ہو خود مسلمان بھی حکومت کیلئے پارٹیوں کے وجود کو ناگزیر سمجھ رہا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اس کے خدا نے اسے کھلا ہوا شرک اور فرعون کا طریقہ قرار دیا ہے -

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱. تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو گی صحیح ہو گی جو اس کے خلاف ہو گی غلط ہے۔

۴. حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن ہماری سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا صحیح سرچشمہ خود قرآن کریم ہے۔

۵. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶. اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد و معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت کا نظام یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸. ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی ذات کی مضمر صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ عالم اسلامی کی وحدت ★ بسوں کی ہڑتال ★ روح جعفر ★ واشعین آئین کے نام ★ مجلس اقبال
★ تاریخی شواہد ★ اتباع سنت میں اختلاف ★ سرگزشت اسلام ★ بزم طلوع اسلام ★ اقوام متحدہ کے دس سال

As. -/4/-

سلیم کے نام

ملت کا نوجوان طبقہ مشرق و مغرب کے تصادم سے اگر قرآن سے دور ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سامنے قرآن پیش ہی نہیں کیا گیا ۔

یہ کوشش پرویز صاحب نے کی ہے ۔ اس کتاب کا مخاطب ملت کا نوجوان طبقہ ہے ۔

صفحات ۳۰۸ قیمت دو روپے

فردوس گم گشتہ

پرویز صاحب کے ان مضامین اور تقاریر کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے ۔

خالص ادبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دیکھائی دینگی ۔

صفحات ۳۱۶ قیمت چھ روپے

ابلیس و آدم

مغربی مفکر بھانپ چکے ہیں کہ مغرب کے غرق ہونے کا خطرہ سر پر ہے اور وہ تنہا ہی نہیں ڈوبیگا بلکہ نوع انسانی کو بھی اپنے افکار و اعمال کے گرداب میں غرق کردیگا ۔

یہ تباہی وحی کی روشنی سے محروم ہونیکا نتیجہ ہے ۔ وحی کی روشنی کیا ہے؟ اور وہ انسانیت کی فلاح کا ذریعہ کیسے بن سکتی ہے؟ 'ابلیس و آدم' انہی سوالات کا جواب ہے!

ضخامت ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے ۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا ۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے ۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے ۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے ۔ کتابوں کے لئے الگ ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے ۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے ۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے ۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے ۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷ - کراچی - ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
ہفتہ وار
طلوعِ اسلام
جلد ۸ | ۹ر جولائی ۱۹۵۵ء | نمبر ۲۳

عالمِ اسلامی — تفریق یا وحدت!

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

گذشتہ ہفتے عالمِ اسلامی میں دو ایسے اہم واقعات رونما ہوئے ہیں جن کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ یہ واقعات دو ایسی مختلف اور متضاد قوتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو اسوقت عالمِ اسلامی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ ایک قوت تشتت و افتراق کی ہے جو باہر سے اثر انداز ہو رہی ہے اور بیرونی مقاصد مشئومہ کی تکمیل کی خاطر بھائی کو بھائی سے جدا کر کے انھیں آپس میں لڑا رہی ہے۔ دوسری قوت اتحاد و وحدت کی ہے جو قلبِ مسلم کی گہرائیوں سے ابھر رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اوّل الذکر قوت مصنوعی ہے اور مستعار۔ لیکن یہ قوت اتنی بے پناہ ہے کہ یہ نہ صرف اس اساسی جذبۂ اتحاد ہی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لیے جا رہی ہے جو دو مسلمان مملکتوں میں فطری طور پر موجود ہونا چاہیئے بلکہ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک عظیم خطرے کا موجب بن گئی ہے۔

پہلا واقعہ افغانستان اور پاکستان کے مابین مصالحت کی ناکامی ہے۔ پاکستانی پرچم اور قونصل خانوں پر حملے کے سلسلہ میں افغانستان کی حکومت نے جس غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا وہ بادی النظر میں شاید ایک انفرادی واقعہ دکھائی دے لیکن جن کی نگاہیں سطح سے ذرا نیچے اتر کر دیکھ سکتی ہیں انھیں اس حقیقت کو غیر مستور دیکھ لینے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوگی کہ یہ واقعہ دراصل ایک سلسلۂ دراز کی کڑی تھا۔ افغانستان وہ بدبخت ملک ہے جس نے پہلے دن سے ہی پاکستان کی دشمنی کو اپنا شعار بنایا۔ پاکستان، افغانستان کا وہ نیا مسلمان ہمسایہ تھا جس کے باشندے افغانستان اور والیانِ افغانستان سے والہانہ قلبی لگاؤ رکھتے چلے آرہے تھے۔ ایسے ہمسائے کی آزادی پر افغانستان کو دلی مسرت ہونی چاہیئے تھی، کیونکہ اس سے (اور تو اور خود) افغانستان پر بھی دفاع اور معاش کی راہیں بڑی آسان ہو جاتی تھیں۔ لیکن افغانستان کے اندھے پن کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے ذاتی مفاد کا پاس بھی نہ کیا اور بلا سوچے سمجھے بدخواہانِ پاکستان و دشمنانِ وحدتِ اسلامیہ کا آلۂ کار بن گیا اور کم و بیش آٹھ سال سے وہ بدخواہوں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلتا چلا آرہا ہے۔ اور اس کا قطعاً احساس نہ کیا کہ مخالفت کی یہ مئے سرکش جسے وہ حریفانِ پاکستان کے میکدوں سے مستعار لے رہا ہے خود اس کے حق میں بھی کس قدر مینا گداز واقعہ ہوتی ہے۔

۳۰ رمارچ اور اس کے بعد کابل، قندھار اور جلال آباد میں جس وحشت اور درندگی سے پاکستانی جھنڈے کی توہین کی گئی اور پاکستانیوں کے جان و مال کو نقصان پہنچایا گیا وہ پاگل پن کا بدترین مظاہرہ تھا جس کی ساری دنیا کی طرف سے بجا طور پر مذمت ہوئی۔ پاکستان اس کی تلافی کے لئے جو کچھ کرتا وہ قابلِ فہم ہی نہ ہوتا، بلکہ بین الاقوامی قانون کی رو سے حق بجانب بھی ہوتا لیکن پاکستان نے نہ تو قانونی مقتضیات کے پورا ہونے پر چنداں زور دیا اور نہ وقار کے سوال کو زیادہ اہمیت دی۔ اس نے اسے خصوصیت سے ملحوظ رکھا کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے بیوقوف مگر مسلمان ہمسائے کو خواہ مخواہ نقصان پہنچے۔ چنانچہ اس نے محض آبرومندانہ تلافی کے مطالبہ پر قناعت کی۔ لیکن پلیتہ کو تیلی دکھانے والوں کی شہ میں آکر افغانستان نے اسے ٹھکرا دیا۔ اس پر پاکستان نے ۱۵ رمئی کی تاریخ مقرر کی کہ اس وقت تک تلافی نہ کی گئی تو وہ افغانستان کا معاشی مقاطعہ کر دے گا۔ اس الٹی میٹم پر عمل درآمد کرنے میں ابھی تین دن باقی تھے کہ سعودی عربیہ کے شاہزادہ مساعد مصالحت کرنے کی غرض سے کراچی آگئے۔ پاکستان نے ان مساعی کو کامیاب بنانے کے لیے بڑے مخلصانہ تعاون کا ثبوت دیا اور محض مصالحت کی خاطر ان غیر متعلق امور میں بھی افغانستان کو مراعات دینے پر رضامند ہو گیا جو اس نے مصالحت کو ناکام بنانے کی نیت بد سے خواہ مخواہ کھڑے کر دیئے اور ان پر احمقانہ ضد کی۔ یہ پاکستان کی مصالحت پسندی کا اثر تھا کہ شاہزادہ مساعد نے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ اعلان کیا کہ جہاں تک اصولوں کا تعلق ہے باہمی مفاہمت ہو چکی ہے البتہ ایک آدھ امر کی تفصیل کا تعین باقی ہے۔ دنیا بھر میں بالعموم اور دنیائے اسلام میں بالخصوص ان اعلانات کا خیر مقدم کیا گیا کیونکہ یہ ایک ایسی نزاع کے خاتمہ بالخیر کی خبر کے حامل تھے جس کے نتائج بد دونوں کے لئے دور رس تھے۔ لیکن امیدیں بن بن کر بگڑیں اور ڈیڑھ ماہ کی شبانہ روز کوششوں کے بعد بالآخر شاہزادہ مساعد اور کرنل انور السادات کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ وہ تصفیہ کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ ہمارے مصالحت کرانے والے دوستوں کو ناکامی کا اعلان اس حال میں کرنا پڑا کہ امر متنازعہ سے متعلق سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ ناکامی کی وجہ یہ ہوئی کہ افغانستان نے غیر متعلقہ امور کو اس تصفیہ سے متعلق کرنے پر ضد کا ثبوت دیا اور حد تو یہ ہے کہ اس نے پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ ختم کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک افغانستان پاکستان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ جاری رکھے گا دونوں ممالک کے مابین اچھے ہمسایوں کے سے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے اور پاکستان کو کبھی اطمینان نہیں ہو سکتا کہ اس کے باشندے اور نمائندے افغانستان میں محفوظ و مصئون رہ سکیں گے اور جب تک پاکستان کو ایسا اطمینان حاصل نہیں ہو جاتا وہ اپنے باشندوں اور نمائندوں کو افغان حکومت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔

مصالحت کی ناکامی سے متعلق اب تک تین اعلانات شائع ہوئے ہیں۔ ایک اعلان شاہزادہ مساعد کی طرف سے دوسرا حکومتِ پاکستان کی طرف سے اور تیسرا کرنل انور السادات کے نمائندے کی طرف سے۔ ان تینوں اعلانوں کے مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومتِ افغانستان مفاہمت کے لئے تیار نہیں تھی اور اس نے قدم قدم پر اسے ناممکن العمل بنایا۔ ایک شق پر اتفاق ہونے پر وہ ایک نیا شوشہ چھیڑ دیتی رہی۔ یہ سلسلہ جاری رہا تاآنکہ متنازعہ فیہ امر کے جملہ پہلوؤں پر مصالحت ہو جانے کے باوجود غیر متعلقہ امور پر اتفاق نہ ہو سکنے کی وجہ سے مساعیٔ مفاہمت کی ناکامی کا اعلان کر دینا پڑا۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس دن مفاہمت

کی ناکامی کا اعلان ہوا اسی دن یہ اعلان بھی ہوا کہ افغانستان اور روس نے ایک پنج سالہ معاہدہ کر لیا ہے جس کی رو سے دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے علاقے سے سامان لیجانیکا پورا پورا حق ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ افغانستان دنیا کو مفاہمت کا دھوکہ دیتا رہا۔ کیونکہ وہ بظاہر صلح کی کوششوں میں شریک رہا لیکن درپردہ روس سے بھی ساز باز کرتا رہا اور جب اس نے روس سے معاہدہ کر لیا تو اس نے مساعی مفاہمت کو ختم کر دیا۔

افغانستان کی اس حرکت نے بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ افغانستان کی قدرتی راہیں پاکستان سے گزرتی ہیں۔ اس نے اب بزعم خود یہ سمجھا ہے کہ وہ ان راہوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا سے تجارت کر سکتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی کوتاہ بینی ہے روسی راستے پاکستانی شاہراہوں کا کسی صورت میں بھی بدل نہیں ہو سکتے وہ دشوار گذار بھی ہیں اور طویل و پُر پیچ بھی۔ ان کے ذریعہ افغانستان نہ اپنی اشیائے برآمد اپنے گاہکوں تک پہنچا سکتا ہے نہ اپنے مصرف کی چیزیں دوسرے ممالک سے حاصل کر سکتا ہے۔ گویا تجارتی طور پر یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔ لیکن اس کا خسارہ تجارت تک محدود نہیں رہیگا بلکہ اس نوک نشتر کی زد بہت دور پہنچے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ افغانستان میں روسی اثر و نفوذ بڑھ جائیگا۔ روس ایک عرصے سے اس کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر خدا نکردہ ایسا ہو گیا تو نہ محض پاکستان کیمونزم کے نرغے میں آ جائے گا بلکہ مشرق وسطیٰ میں بھی کیمونسٹ خطرہ بڑھ جائیگا۔ اس سے مسلمان ممالک دوہرے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ایک تو آئیڈیالوجی کی جنگ اور دوسرے ان کی باہمی وحدت کا ناقابل تلافی نقصان۔ اس سلسلے میں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ افغانستان جیسے ملک میں کیمونسٹ اقتدار کو بڑی سازگار فضا میسر آ سکتی ہے۔ یہ ملک بہت پسماندہ ہے اور اس کی حکومت خاندانی اور جاگیردارانہ ہے جس کا عوام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان طرح طرح کی سازشوں کا مرکز بن گیا ہے۔

اس ناکامی کے بعد کیا ہوگا؟ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس کی راہ بالکل واضح ہے۔ یہ دنیا بھر میں مسلّم ہے کہ اس تنازعہ کی ساری ذمہ داری افغانستان پر ہے۔ اب یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ افغانستان نہ اپنے کئے پر پشیمان ہے نہ وہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہے۔ اس طرح گویا افغانستان نے پاکستان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس کے خلاف سخت اقدامات کرے۔ پاکستان کے پاس اب دوسرا چارۂ کار ہی نہیں رہا۔

پاکستان کا رویہ اپنی جگہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صلح کرانے والوں کی ذمہ داری اس پر ختم ہو جاتی ہے کہ ناکامی کا اعلان کر دیا جائے؟ اگر بات یہیں ختم کر دی جائے تو یہ بیچارگی کی حد ہوگی۔ دنیائے اسلام کے لئے یہ صورت حالات کسی طرح بھی خوش آئند نہیں ہو سکتی کہ ایک ملک مثلاً افغانستان غلطی پر ہونے کے باوجود ان کی مشترکہ خواہشات کو ٹھکرا دے اور مساعی مصالحت کو بے نتیجہ بنا دے وحدت اسلامی کے لئے یہ سب سے بڑا چیلنج ہے۔ لہٰذا اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد سے جلد اس کمزوری کو رفع کیا جائے اور کسی ایک ملک کے لئے یہ ناممکن بنا دیا جائے کہ وہ مجموعی مفاد کے خلاف جا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس کمزوری کے رفع کرنے کی واحد صورت باہمی اتحاد اور ایک ایسی تنظیم کی تشکیل ہے جو ممالک اسلامیہ کے مشترکہ امور میں حکم کا کام دے سکے۔ اس منزل کا قدم اوّل وہ معاہدے ہیں جو حال ہی میں ترکی اور پاکستان اور ترکی اور عراق میں طے پائے ہیں۔ اس سے وہ دوسرا واقعہ سامنے آتا ہے جس کی طرف ابتدائی سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ہر چند ان معاہدوں نے ترکی عراق اور پاکستان کو بالواسطہ ایک دوسرے کا حلیف بنا دیا تھا لیکن ایک عرصے سے یہ کوشش ہو رہی تھی کہ ان کو براہ راست ایک دوسرے کا حلیف بنا دیا جائے۔ اور اس اساس پر عالم اسلامی کی وحدت کی عمارت کھڑی کی جائے۔ پاکستان نے ترکی عراقی معاہدے میں شرکت کا اعلان کر کے راستے کا ایک بہت بڑا روڑا ہٹا دیا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے۔ ان معاہدوں کا مقصد یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ کو ایک دوسرے سے قریب تر لایا جائے اور ان میں ایسے روابط پیدا کئے جائیں کہ وہ امن اور جنگ دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں۔

ممالک اسلامیہ کا ہر خیر خواہ ان مساعی اتحاد کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ان کو ناکام بنانے کی بھی کوشش شروع کر دی گئی ہے۔ ان کا سب سے بڑا مخالف مصر ہے۔ جس کے مرید سعودی عرب اور شام ہیں۔ ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ یہ مخالفت کیوں ہو رہی ہے کیونکہ اس پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ وجہ جو بھی ہو یہ یقینی ہے کہ اس سے عالم اسلامی کی وحدت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ کوشش مصر اور سعودی عربیہ جیسے ممالک کی طرف سے ہو رہی ہے جنھوں نے پاکستان اور افغانستان میں مصالحت کی مبارک مساعی کر کے اس کا عملی ثبوت دیا ہے کہ عالم اسلامی میں باہمی رقابت اور تصادم کے علل و اسباب کو کم کرنے کے متمنی ہیں۔ اگر وہ پاکستان اور افغانستان میں کشیدگی دیکھنے کے روادار نہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ مسلم اور عرب ممالک میں پھوٹ ڈالنے کو کس طرح مستحسن سمجھ سکتے ہیں؟ لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اس ضمن میں انھوں نے جو روش اختیار کی

...... ہے اس پر اصرار کیا گیا تو اس کا نتیجہ بھی کچھ ہوگا۔ آج یہ جاننے کے لئے زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں کہ عالم اسلامی کی اولین ضرورت باہمی اتحاد ہے اور دوسری ضرورت اس اتحاد کی بنیاد پر دنیا کی بڑی بڑی اقوام سے معاملے کرنا ہے تاکہ اس کرۂ ارض پر مسلمان آبرومندانہ مقام حاصل کر سکیں۔ یہ مقام بغیر اتحاد باہمی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہماری تمام کوشش اس مقصد کے حصول اور تمام جد و جہد اس منزل تک پہنچنے کے لئے وقف ہونی چاہئے۔

کس قدر مقام عبرت ہے یہ تلخ حقیقت کہ آج اتحاد کا پیغام اس ملت کو دنیا پڑھاتی ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے آئینۂ اتحاد بن کر آئی تھی؟ وہ ملت جس کے محراب و منبر سے آج بھی یہ جاں نواز صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

حق ترا چشمے عطا کرد است غافل در نگر!

روحِ جعفر

دہلی کی خبر ہے کہ ہندوستان سے دس ارکان پر مشتمل ایک وفد اسی ماہ حجاز جا رہا ہے۔ اس کی قیادت حبیب الرحمٰن لدھیانوی کریں گے۔ ارکان میں سے دو ان کے صاحبزادے اور بقیہ دوست ہیں۔ خیال یہ تھا کہ اس وفد کی قیادت جمعیۃ العلمائے ہند کے کسی عالم کو تفویض کی جاتی۔ مگر اس کے ترجمان روزنامہ "الجمعیۃ" نے فرقہ وارانہ فسادات، اردو اور معاشی اور مذہبی امور کے بارے میں ایسی تنقیدی روش اختیار کر رکھی ہے کہ اس کے کسی رکن کو اتنا معتمد نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ ایسے وفد کی قیادت کرے۔ اس سفر پر ایک لاکھ روپے کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ان مصارف کو کون پورا کریگا۔ اس سوال کا جواب حبیب الرحمٰن کے انتخاب میں ہی مل جاتا ہے۔ پچھلے دنوں انھوں نے متعدد بار بڑی تعلّی سے کہا ہے کہ انھیں کانگریس کی طرف سے بیس ہزار روپے ماہانہ اس مطلب کے لئے ملتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں کانگریس کو ہر دلعزیز بنائیں۔

اس وفد کا مقصد یہ ہے کہ حج کے موقعہ پر جب مختلف ممالک اسلامیہ کے نمائندے جمع ہوں تو اس کے ارکان انھیں بتائیں گے کہ مسلمانان ہندوستان ہندو حکومت کے زیر سایہ بڑی عافیت سے وقت گذار رہے ہیں۔ اور ان کی عزت، جان، مال، مذہب، کلچر سب محفوظ ہیں۔ حبیب الرحمٰن خیر سے [illegible] کے اس طائفۂ منحوسہ سے تعلق رکھتے ہیں جو تقسیم سے پہلے ہندو کے اشارے پر مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کرتے رہے اور شور مچا مچا کر دنیا پر یہ واضح کرتے رہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ اور آزاد حکومت کی کوئی ضرورت نہیں اور انھیں بدستور ہندوؤں کی غلامی میں رہنا چاہئے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا سارا زور دنیا کو یہ جتانے پر صرف ہو رہا ہے کہ وہ ہندو کی حلقہ بگوشی کو ہی دینی اور دنیوی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اب یہ کاسہ لیسانِ [illegible] کعبے کا غلاف تھام کر مسلمانانِ عالم کو اس دھوکے میں مبتلا کریں گے کہ انھیں دنیا میں کہیں امان ملی ہے تو وہ ہندوؤں کے سایۂ عاطفت میں ہے۔ اقبال انہی کے متعلق کہہ گیا ہے:-

جعفر اندر ہر بدن ملت کش است — ایں مسلمانے کہن ملت کش است

خندہ خنداں است و باکس یار نیست　　مار اگر خنداں شود جز مار نیست
از نفاقش وحدت قومے دو نیم　　ملت او از وجود او لئیم
ملتے را ہر کجا غارت گرے است　　اصل او از صادقے یا جعفرے است

الاماں از روحِ جعفر الاماں

الاماں از جعفرانِ ایں زماں

اور ان "جعفروں" کی خود پاکستان میں بھی کمی نہیں ہے بڑے بڑے مقدس نقابوں کے اندر جعفر!

بسوں کی ہڑتال

یوں تو زندگی کے کسی شعبے میں دیکھئے معاشرے کی وہ ناہمواریاں کھلی کھلی سامنے آجائیں گی جو انسان کو جہنم ارضی کے نچلے سے نچلے درجے میں دھکیل رہی ہیں۔ لیکن شہری ذرائع آمد و رفت اور وسائل حمل و نقل میں معاشرے کی جو تصویر نظر آتی ہے، شاید اس سے زیادہ گھناؤنی تصویر کہیں اور نہ مل سکے۔ کراچی جیسے شہر میں جہاں آبادی دور دور پھیلی ہوئی ہے۔ اور لوگ کسب معاش کے لئے روزانہ طول طویل فاصلے طے کرنا پڑتے ہیں۔ ذرائع آمد و رفت کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ذرائع سہولت بخش آرام دہ اور سستے ہونے چاہئیں کیونکہ ایک تو یہ روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں دوسرے ان کے استعمال کرنے والے بیشتر ایسے لوگ ہیں جو محدود آمدنی کی بدولت متبادل ذرائع سے استفادہ نہیں کرسکتے لیکن عملاً جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ بڑا روح فرسا ہے۔

کراچی میں کم و بیش ایک ہزار بسیں ہیں جو متعدد افراد کی ملکیت ہیں۔ یہ افراد بالعموم پبلک سے دور اور بے تعلق رہتے ہیں۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے ملازمین زیادہ سے زیادہ دولت کما کر ہر شام ان کے قدموں میں ڈھیر کردیا کریں۔ چنانچہ انھوں نے ملازمت کی شرائط ایسی رکھی ہیں جو کنڈکٹروں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ ان کی ہوس زر کی تسکین میں صبح و شام منہمک رہیں اور اس بات کا مطلقاً خیال نہ کریں کہ ان شہریوں کا کیا حشر ہوتا ہے جن کی خاطر بسیں چلتی ہیں اور جن کے دم سے ان کے آقاؤں کی تجوریاں بھرتی ہیں، چنانچہ وہ طرح طرح کے حربوں سے کام لیتے ہیں۔ وہ حریف آقا کی بس جاتی دیکھ کر اپنی بس تیز تر کرکے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اور چونکہ ہر کوئی ایسی کوشش میں مصروف ہو کہ دوسرے کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے اس لئے ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حادثات کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بس والے بسوں کو اس طرح بھر لیتے ہیں جیسے وہ ڈھور ڈنگر لئے جارہے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی بے ضابطگیاں کرتے ہیں جن سے مسافروں کو گوناگوں دشواریاں پیش آتی ہیں لیکن مسافر بے بس ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ پولیس ایک حد تک مداخلت کرتی ہے لیکن اس سے پولیس اور مالکان بس کے مابین ایک کشمکش شروع ہوگئی ہے جس سے مسافروں کو اور نقصان پہنچ رہا ہے گویا جہاں تک پولیس اور مالکان بس کا تعلق ہے ان میں سے کوئی فریق بھی مسافروں کی سہولت اور آسائش کو اپنی کارکردگی اور خدمت کا معیار نہیں بناتا۔

اسی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ پچھلے ہفتے ایک دن اچانک شہر میں بسوں کی ہڑتال ہوگئی۔ بسوں کے بعد تانگوں اور رکشاؤں وغیرہ کی باری آتی ہے۔ لیکن انھوں نے دام کئی گنا بڑھا دیئے جس سے مسافروں کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا۔ ہڑتال کے دنوں میں کراچی میں جو نقشہ دیکھنے میں آیا۔ اسے دیکھ کر اس سارے معاشرے پر لعنت بھیجنی پڑتی ہے جس کے ایک گوشے میں یہ افراتفری مچی۔ ایک اچھے معاشرے میں جس کی اساس خدمت خلق پر ہو۔ ایسی صورت حال کا پیدا ہونا از قبیل محالات ہے۔ خدا خدا کر کے دو دن میں ہڑتال ختم ہوئی۔ اسے چھوڑیئے کہ ہڑتالیوں کے مطالبات کیا تھے اور وہ کہاں تک پورے ہوئے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ شہر پر ایسا عذاب نازل نہ ہوسکے یا اگر ہو تو اس کی شدت کچھ کم ہو۔ مالکان بس سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ اس سوال کو درخورِ اعتنا سمجھیں کیونکہ ان کا ذاتی مفاد عاجلہ انھیں اس کی فرصت ہی نہیں دیتا۔ پولیس بھی اس صلاحیت سے تہی معلوم ہوتی ہے۔ فریقین ان فریقین میں سے اگر کوئی ایک مسافروں کے حقوق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ تو وہ پولیس یا بالفاظ دیگر حکومت ہی ہے۔ لہٰذا ہم حکومت کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر اس نے اب تک اس مسئلے کو نہیں سوچا تو اب خدا کے لئے اس کا جائزہ لے اور اس کا حل تلاش کرے۔ اس کا حل ناممکن یا بہت دشوار نہیں۔ برسوں کے تجربے نے یہ حقیقت بالکل واضح کر دی ہے کہ شہری وسائل آمد و رفت کو ذاتی ملکیت میں نہیں رہنے دیا جاسکتا۔ کیونکہ اکثر بیشتر خرابیوں کی علت یہی ہے۔ یہ راز چند سال پہلے پا لیا گیا تھا۔ اور یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ ان وسائل کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا لیکن افسوس کہ واضح فیصلوں کے باوجود اس پر آج تک عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ حالانکہ بسوں کے ملازمین کئی بار مطالبہ کر چکے ہیں کہ ایسا کر لیا جائے۔ حکومت کے اس پر عمل درآمد کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کم از کم حکومت نے کبھی یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کیوں ایسا نہیں کر رہی۔ اس کی غالباً ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قومی ملکیت کے اصول کو بڑا انقلابی سمجھا جاتا ہے اور ذاتی مالک اپنے شخصی مصالح کو قومی مفاد کے تابع نہیں کرنا چاہتے۔ اول تو یہ جذبہ ایسا نہیں جس کا احترام کیا جائے کیونکہ شہر کی کثیر آبادی کی سہولت کو بہرحال چند سرمایہ داروں کے نجی مفاد پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اگر بالفرض اس پر کوئی ایسا ہی اصولی اعتراض ہے تو ذاتی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اس کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً موجودہ مالکان بس کا ایک مشترکہ مرکزی ادارہ بنا لیا جائے جو ساری بسوں کو ایک ہی نظام کے تحت چلائے تو تیز رفتاری کا تدارک ہو سکے گا۔ نیز چونکہ اس طرح بسیں ایک مرکزی قاعدے کے مطابق چلیں گی اس لئے ان میں باقاعدگی پیدا ہو جائیگی اور وہ شہر کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بن جائیں گی۔ اس میں مالکان بس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ان کے ملازمین مطمئن ہوں گے مسافروں کو سہولت ہوگی اور خود پولیس پر سے نگرانی کی پابندی کم ہو جائے گی۔ گویا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت تمام متعلقہ فریقوں اور مفادات کے لئے مفید ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت اس پر سنجیدگی سے غور کرے گی اور مالکان بس سے ایک قابل عمل منصوبہ طے کرکے تمام شہری بسوں کو ایک مرکزی نظام کی تحویل میں دے دے گی۔

بزمِ طلوعِ اسلام

گولی مار، کراچی

محمد نفیس صاحب ترجمان بزم طلوع اسلام نمبر ۱۲۴، گولیمار کوارٹرز۔ کراچی نے بزم کی مئی اور جون کی روئداد ارسال کی ہے جو درج ذیل ہے۔

اس بزم کا افتتاح ۲۰ مئی کو ہوا۔ اور ماہ مئی میں دو اور ماہ جون میں چار اجتماع ہوئے۔

۲۷ مئی کے اجتماع میں باتفاق رائے طے پایا کہ ہر ماہ

(الف) قرآن کے اہم اصولوں کو اشتہاروں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔ (اب تک ایک پمفلٹ "دعوت الی اللہ" شائع کیا جا چکا ہے)

(ب) مناسب تقاریر کے ذریعہ قرآنی پیغام کو پھیلایا جائے۔

(ج) بزم ایسا فنڈ قائم کرے جس سے کم از کم اس حلقہ کے بے سہارا اور مسکین لوگوں کی معاشی مدد کی جائے

۳ جون کے اجتماع میں (۱) تندرستی اور ختنہ کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا گیا

۱۰ جون کے اجتماع میں حلقہ شیر شاہ کے ترجمان اور ان کے احباب بھی شریک ہوئے۔ قربانی پر بحث رہی۔ قربانی کے بارے میں اسے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا کہ قربانی کا مقام صرف مکہ ہے (ہر گاؤں ہر شہر میں نہیں) وہ بھی کھانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے۔ نیز جانوروں کو ذبح کرکے دفن نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ آج کل مکہ میں رواج ہے۔

حج کی عالمی اہمیت پر بھی غور کیا گیا۔

۱۷ جون کے اجتماع میں تعویذ گنڈے اور پیری مریدی پر بحث رہی۔

۲۴ جون کے اجتماع میں اردو بخاری جلد اول کے عنوانات تمہید اور احادیث کی تدوین بعد چند احادیث پڑھ کر سنائے گئے۔

ہر اجتماع میں اوسطاً دس حضرات کی حاضری ہوتی رہی ہے۔ جن میں سے آٹھ اب تک ہم خیال ہو چکے ہیں۔ بزم کے اراکین کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر اتوار کو محترم پرویز صاحب کے درس قرآن میں شریک ہوا کریں۔ چنانچہ وہ باقاعدگی سے شریک ہوا کرتے ہیں۔

چک ۲۲۳ (ضلع جھنگ)

مستری غلام محمد صاحب چک نمبر ۲۲۳، ڈاکخانہ چک ۲۲۹، تحصیل چنیوٹ (ضلع جھنگ) اپنے علاقے میں بزم طلوع اسلام کی تشکیل کے لئے کوشاں ہیں۔ علاقے کے قارئین ان سے رابطہ پیدا کریں اور تشکیل بزم میں ان کی معاونت کریں۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کی حیاتِ عقلیہ کس طرح کی تھی ان کے حالات ان کے اخلاقی اور اجتماعی کوائف پر کس طرح اثر انداز تھے۔ آج کی فرصت میں عربوں کی حیاتِ عقلیہ کے مظاہر سے بحث کی جائے گی کہ وہ اپنی ابتدائی اور سادہ شکل میں تھے۔ جنہیں منظم علم کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

زمانۂ جاہلیت میں حیاتِ عقلیہ کے مظاہر لغت، شعر، امثال اور قصص تھے اور صرف یہی چیزیں ان کی عقل کے مظاہر بھی سمجھی جا سکتی ہیں علم اور فلسفہ تو ان کے ہاں اس کا کوئی نشان نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اجتماعی طرز جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انہیں علم و فلسفہ کی ترویج کا ذریعہ ہی نہیں بن سکتا تھا۔ البتہ انہیں انساب کا علم حاصل تھا۔ انہیں بارش برسانے والے ستاروں اور نجوم کا بھی علم حاصل تھا۔ تاریخی واقعات سے بھی تھوڑی بہت واقفیت تھی معمولی سا طب بھی جانتے تھے۔ لیکن جیسا کہ آلوسی وغیرہ نے کہا ہے ان ذرا ذرا سی معلومات کو علم کہنا ایک فاحش غلطی ہوگی۔ چنانچہ آلوسی نے بیان کیا ہے کہ ان کے علم ایسے علم الطب، علم الانواء اور علم نجوم بھی تھے" پھر اس کا تذکرہ وہ اس طرح محکم طور پر کرتے ہیں کہ ہمیں اس وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ یہ علوم ان کے ہاں اپنے اصول و قواعد کے اعتبار سے کوئی مستقل حیثیت کے مالک تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس قبیل کی جو چیزیں بھی ان کے ہاں رائج تھیں سوا ابتدائی معلومات اور سادہ تصورات سے آگے نہیں بڑھتی تھیں، جنھیں علم کہنا تو درکنار علم سے مشابہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قواعد و ضوابط اور منظم بحث و تحقیق جسے علم کہا جاتا ہے تو جاہل عربوں کو تو اس سے واقفیت بھی نہیں تھی اس کی صحیح تر تعبیر وہ ہو سکتی ہے جو — علم طب پہ کلام کرتے ہوئے — ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں کی ہے انھوں نے کہا ہے۔

"صحرائی آبادیوں میں بھی ایک قسم کا طب ہوتا ہے جو اکثر بعض اشخاص پر تجربہ تک محدود ہوتا ہے یہ طب وراثتہً ان لوگوں کو اپنے قبیلہ کے بوڑھوں اور بوڑھیوں سے پہنچتا ہے۔ بعض اوقات اسکی کچھ باتیں صحیح بھی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کسی طبعی قانون یا مزاج کی موافقت پر مبنی نہیں ہوتا عربوں میں اس قسم کا طب بہت کافی موجود تھا۔ اور ان میں کئی ایک مشہور طبیب مثلاً حارث ابن کلاہ وغیرہ بھی موجود تھے (۱)۔ اتنا ہی کچھ ان امور کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے جو بارش برسانے والے ستاروں اور علم نجوم کے متعلق ان سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ چند معلومات تھیں جو ناقص تجربہ پر مبنی ہوتی تھیں، کبھی صحیح پڑ جاتی تھیں لیکن اکثر غلط ہوتی تھیں نئی پود ان ہی چیزوں کو اپنے باپ دادوں سے نقل کرتی تھی۔ ایسے ہی ان کے ہاں فلسفی مذاہب کا بھی کوئی نام و نشان نہیں تھا — جسکی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں — ان لوگوں کی باتوں کو شمار میں نہ لانا چاہئے جو شعر جاہلی میں ایسے اشعار تلاش کرتے ہیں جن میں کوئی فلسفیانہ خیال پایا جاتا ہو یہ لوگ ان خیالات کو دیکھکر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ وہ فلسفیانہ مذاہب ہیں۔ مثلاً جب اعشیٰ کہتا ہے۔

"خدا نے وفا، اور عدل کو اپنے لئے مخصوص کر دیا اور ملامت کو انسان کے لئے چھوڑ دیا" تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس شعر میں ایک فلسفیانہ مذہب بیان کیا گیا ہے جو انسان سے باز پرس کے بوجھ کو اٹھا دیتا ہے۔ یا جب وہ کسی دوسرے شاعر کا یہ شعر دیکھتے ہیں کہ

"زندگی، پھر مرنا، پھر دوبارہ جی اٹھنا، عمرو کی ماں یہ سب خرافات کی باتیں ہیں"

یا زہیر کا یہ شعر کہ

"میں نے موتوں کو دیکھا ہے کہ اندھے کی لاٹھی ہیں۔ جسے لگ گئی اسے مار دیا اور جسے نہیں لگ سکی اسکی عمر لمبی ہو جاتی ہے اور وہ بوڑھا پھونس ہو جاتا ہے" تو وہ ان خیالات کو فلسفیانہ مذاہب خیال کر لیتے ہیں۔ حالانکہ فلسفیانہ مذہب اور فلسفیانہ خیال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فلسفیانہ مذہب ایک منظم بحث و تحقیق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ رائے اور نظریہ کو واضح کرنے، اس پر دلائل و براہین قائم کرنے، مخالفین کی آراء کو شکست دینے اور دوسری بہت سی باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ اس مرتبہ تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکے۔ رہ گیا فلسفیانہ خیال تو وہ اس سے بہت کم رتبہ ہوتا ہے۔ اس کا فلسفہ سے اتنا ہی علاقہ ہوتا ہے کہ ذہن کسی ایسے مضمون کی طرف متوجہ ہو گیا جو کائنات کے اصول سے تعلق رکھتا تھا اور بس۔ نہ وہ کوئی منظم بحث کرتا ہے، نہ دلائل قائم کرتا ہے نہ مخالفین کے دلائل کو رد کرتا ہے۔ یہ وہ درجہ تھا جس تک عرب لوگ یقیناً پہنچ چکے تھے۔

پانچویں فصل

حیاتِ عقلیہ کے مظاہر

حیاتِ عقلیہ کے مظاہر میں سے ہر مظہر کے متعلق ہم کچھ بیان کریں گے عربوں کے مظاہر عقلیہ یہی چار چیزیں تھیں زبان و لغت، اشعار، ضرب الامثال اور قصّے کہانیاں۔ لیکن ہماری یہ گفتگو ان کے فنی جمال اور بلاغتی اسلوب کی حیثیت سے نہیں ہوگی کیونکہ ہمارے موضوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہم ان چیزوں پر اس حیثیت سے گفتگو کریں گے جس سے ان کی عقلیت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم ان امور پر گفتگو کریں تھوڑی دیر توقف کر کے ہمیں اس بارے میں اپنی رائے بیان کر دینی چاہئے کہ یہ امور کہاں تک ہمارے نزدیک حجت بن سکتے ہیں۔ یہ اسلئے ضروری ہے کہ بسا اوقات شک اور تذبذب ان تمام مظاہر کی علمی حیثیت کو بالکل ہی ختم کر دیتا ہے۔ کیا واقعہ نہیں کہ جاہلی اشعار تقریباً دو صدی تک کہیں لکھے ہوئے موجود نہیں تھے اور نقل کرنے والے انہیں زبانی نقل کرتے چلے آتے تھے ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس قسم کے نقل در نقل ہوتے آنے میں کس قدر غلطیاں اور تبدیلیاں ہو سکتی تھیں۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا سوال یہ بھی ہے کہ کیا وہاں ایسے اسباب و دواعی موجود نہیں تھے جو ان اشعار کے نقل کرنے والوں کو دینی، سیاسی اور جنسی رجحانات کے مطابق اشعار گھڑنے پر برانگیختہ کر سکتے ہوں؟ قابلِ اعتماد ناقدوں نے واضح کیا ہے کہ جاہلی اشعار میں سے زیادہ تر اشعار موضوع اور گھڑے ہوئے تھے۔ پھر عربوں کی حیاتِ عقلیہ کا پتہ لگانے میں ان پر اعتماد کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ یہی کچھ دوسرے مظاہر کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ آج تک کسی نے بھی تمام جاہلی اشعار کا انکار نہیں کیا۔ جن لوگوں نے اسکی تحقیق و تفتیش کی ہے ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شک کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ جیسا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یقین کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان دونوں کے درمیان ایک درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم ان جاہلی اشعار کے بارے میں بھی اسی مسلک پر چلتے ہیں جس پر ہم باقی تاریخی حوادث سے متعلق روایات اور منقولہ احادیث میں چلتے ہیں۔ ان چیزوں میں ہم ان روایات کی دو جہتوں سے آزمائش کرتے ہیں! ایک تو سند کی جہت سے — یعنی ان راویوں کی جہت سے جو اس حادثہ یا واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ اور دوسرے متن کی جہت سے — یعنی خود اس قول کی جہت سے جو نقل کیا گیا ہے جب یہ دونوں جہتیں صحیح ہوں تو ہم پر لازم ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اسکی تصدیق کریں تا آنکہ تنقید کی کوئی نئی وجہ ہی پیدا نہ ہو جائے یہی کچھ ہمیں ان اشعار کے متعلق بھی اختیار کرنا چاہئے۔ اگر راوی جھوٹا ہو یا ثقہ نہ ہو تو ہم اسکی روایت پر اعتماد نہیں کریں گے۔ ایسے ہی اگر متن کے ضعیف ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو تب بھی ہم اس پر اعتماد نہیں کریں گے۔ مثلاً کوئی شاعر تشبیب میں کسی ایسے مقام کا ذکر کرتا ہے جسکے متعلق تاریخی حیثیت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ شاعر اس مقام کی طرف کبھی گیا ہی نہیں نہ اسے کبھی اس مقام سے کوئی تعلق رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شعر کی نسبت اس شاعر کی طرف غلط ہوگی۔ لیکن اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو جو شعر نقل کیا گیا ہے اس سے استدلال کرنا صحیح ہوگا۔

واضعینِ آئین کے نام

جدید مجلس دستور ساز کے معرضِ وجود میں آجانے سے ایک مرتبہ پھر یہ سوال سامنے آگیا ہے کہ پاکستان کا آئین کیا ہوگا؟ اربابِ سیاست اور ارکانِ مجلس کے بیانات کو دیکھا جائے تو اس سوال کا یہی جواب ملتا ہے کہ ہمارا آئین "اسلامی" ہوگا اور وہ "قرآن و سنت" پر مبنی ہوگا۔ دستور سازی کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ ہوا ہے اس پر نگاہ ڈالی جائے تو اس بلند بانگ دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ سابقہ مجلس دستور ساز نے جو مسودۂ آئین تیار کیا تھا اس کی بنیاد قراردادِ مقاصد پر تھی یہ قرارداد کس حد تک "اسلامی" ہے اس پر طلوعِ اسلام میں تفصیلی بحث[1] کی جا چکی ہے۔

جیسا کہ اس وقت لکھا گیا تھا یہ قرارداد ایسی نہیں کہ اس پر مبنی آئین کو اسلامی آئین قرار دیا جا سکے۔ اس پر جو تنقید ہم نے کی تھی اس کا ملخص یہ ہے۔

یہ اعلان کرنے کے بعد کہ کائنات پر (sovereignty) اللہ کی ہے قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات ملتِ پاکستانیہ کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو تفویض کئے ہیں ان کے مطابق ملتِ پاکستانیہ کی نمائندہ دستور ساز اسمبلی فیصلہ کرتی ہے کہ وہ پاکستان کی آزاد (sovereign state) کے لئے دستور مدون کرے۔ اس میں کائنات پر sovereignty اللہ تعالیٰ کی تسلیم کرنے کے باوجود پاکستان کو sovereign کہا گیا ہے جو ایک متضاد بیان ہے۔ کیونکہ اگر کائنات پر sovereignty اللہ تعالیٰ کی ہے تو پاکستان جو کائنات کا ایک حصہ ہے sovereign نہیں ہو سکتا۔ اس تضاد کو یوں رفع کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیارات مملکتِ پاکستان کو تفویض (Delegate) کر دیئے ہیں یہ صریحاً غلط ہے کیونکہ اگر کوئی (Sovereign power) اپنے اختیارات کسی اور کو تفویض کر دے تو وہ خود Sovereign نہیں رہ سکتی۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات مملکتِ پاکستان کو تفویض کئے ہیں وہ اس وقت اللہ کے پاس نہیں رہے۔ اللہ کا یہ تصور عیسائیت کے تصور سے ملتا ہے جس سے خدائی حقوق (Divine rights) کا عقیدہ پیدا ہوا۔ پاکستان میں اس عقیدے کو فروغ ملا تو اس کا عملاً یہ نتیجہ نکلے گا کہ یہ "خدائی حقوق" ملا کے تصرف میں چلے جائیں گے کیونکہ وہی اپنے آپ کو "شرعِ متین" کا اجارہ دار سمجھتا ہے۔ قرآن اسی پیشوائیت کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔ ہمیں توقع ہے کہ واضعینِ آئین کا یہ مقصد یقیناً نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ملا ہو جائے۔

قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خدا نے اپنے اختیارات ملت کی وساطت سے مملکت کو تفویض کئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ اختیارات انتظامی مشینری یعنی حکومت کے سپرد نہیں کر دیئے جاتے بلکہ وہ بدستور ملت ہی کے پاس رہتے ہیں۔ مملکت ان کا استعمال کرتی ہے اور بس۔ قرآن کی رو سے ملت اور مملکت الگ الگ نہیں۔ لہٰذا اصل بحث ملت اور مملکت کی نہیں فرد اور ملت کی ہوتی ہے۔

قرارداد کی چوتھی غلطی یہ ہے کہ نظامِ حکومت کو جمہوریت کہا گیا ہے۔ مختصراً نظامِ جمہوریت یہ ہے کہ جس بات کو اکثریت یا اکیاون فیصد صحیح کہہ دیں اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ گویا صحیح اور غلط کا کوئی خارجی اور مستقل معیار نہیں بلکہ اس کا معیار آراء کی تعداد ہے۔ قرآن اس کے برعکس ایک مستقل اور مطلق معیار (objective, permanent & Absolute standard) مقرر کرتا ہے۔ جو اس معیار پر پورا اترے وہ صحیح جو پورا نہ اترے وہ غلط ہے۔ قرارداد کی پانچویں غلطی یہ ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ اختیارات باشندگانِ پاکستان کو حاصل ہیں اور ان باشندگانِ پاکستان کی نمائندہ جماعت ہی ان کو جمہوری انداز سے استعمال کرے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات پاکستان کے مسلمانوں، ہندوؤں، پارسیوں، عیسائیوں حتیٰ کہ دہریوں تک کو تفویض کر دیئے ہیں یہ قرآنی مفہوم کے مطابق نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ قرآنی مملکت کی بنیاد آئیڈیالوجی پر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دو متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والی پارٹیاں کسی طور بھی مشترکہ حکومت نہیں بنا سکتیں۔ مملکتی نظام باہمی تعاون بلکہ قرآن کی اصطلاح میں ائتلاف سے چلتا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والا کوئی عنصر شریک ہو جائے تو یہ نظام آگے نہیں چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار تاکید کی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کسی غیر مسلم کو اپنا رازدار نہ بنائے[2]۔

آگے چل کر قرارداد میں درج ہے کہ اس مملکت کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان اس قابل ہو سکیں کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی ان تعلیمات اور احکام کے مطابق بنا سکیں جو قرآن اور سنت میں مذکور ہیں۔ یہ قرارداد کی چھٹی غلطی ہے۔ ہمارے یہاں "قرآن و سنت" یا "قرآن و حدیث" کے الفاظ اس انداز سے استعمال کئے جاتے ہیں گویا دونوں غیر متبدل ہیں یہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم نے اسلامی مملکت کے نظام کے لئے (بہ استثنائے چند) محض اصولی احکام دیئے ہیں اور ان کے تحت جزئیات کے تعین کو مختلف زمانوں کی اسلامی مملکتوں پر چھوڑا ہے تاکہ وہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں خود مرتب کرتی رہیں۔ رسولِ کریم صلعم نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق یعنی اپنے وقت کے رسوم و رواج اور معاشرتی لزوم و خصائص کا خیال رکھتے ہوئے قرآنی اصولوں کی جزئیات مرتب فرمائیں چونکہ انہیں غیر متبدل رکھنا مقصود نہیں تھا اس لئے آپ نے نہ ان کا کوئی مجموعہ مرتب فرما کر امت کو دیا، نہ انہیں حفظ یاد کرایا۔ حالانکہ قرآن کو آپ نے کتاب کی شکل میں لکھوایا اور حفاظ کو بھی یاد کرایا۔ چونکہ آپ نے احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے امت کو نہیں دیا اس لئے آج حدیث کی کوئی ایک کتاب ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ وہ حرفاً حرفاً رسول اللہ صلعم کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا احادیث کو مملکت کا قانون قرار دینے میں یہ دشواری بھی پیش آئے گی کہ انہیں صحیح اور سنتِ رسول اللہ ماننا پڑے گا حالانکہ ان میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جن سے قرآن تو ایک طرف خود انسان کی بصیرت بھی ابا کرتی ہے۔

قرارداد کی ساتویں غلطی یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت کو فیڈریشن کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف صوبے اپنی جگہ خود مختار ہوں گے اور مرکز کے اختیارات انہی شعبوں تک محدود ہوں گے جو فیڈرل لسٹ (federal list) میں شامل ہوں گے۔ اسلام کا منتہائے نگاہ وحدتِ انسانیت ہے۔ اس کے نزدیک انسانوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنا معاشرہ اس کے مطابق قائم کرے اور دوسری وہ جو کسی آئیڈیالوجی سے متمسک ہو۔ اس اعتبار سے تمام مسلمان ایک قوم کے افراد ہیں اور وہ جغرافیائی طور پر تقسیم نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا اسلام کے مزاج کے مطابق وحدانی (unitary) طرزِ حکومت ہے نہ کہ وفاقی (federation)[3]۔

قرارداد کی آٹھویں غلطی بنیادی حقوق سے متعلق ہے قرآن کی رو سے ہر فرد اپنی وہبی اور اکتسابی ملکیتیں (جان و مال) سب کچھ نظام کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور نظام اس کی طبعی ضروریات سے لے کر انسانیت کے نشوونما و ارتقاء تک کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ حقوق و فرائض کی یہ وہ فہرست ہے جس کی مثال قرآن سے باہر کہیں نہیں مل سکتی۔

ہماری بحث تفصیلی بن گئی۔ مجملاً اس پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے نہ اسلام کا صحیح تصور سامنے آتا ہے نہ اس نظامِ اسلامی کا جس کا اس کے مطابق بنائے جانے کا دعویٰ باندھا جا رہا ہے۔

اب اس کے مقابلے میں ہم وہ مسودۂ قراردادِ مقاصد پیش کرتے ہیں جو طلوعِ اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

مسودہ قراردادِ مقاصد

[1] یہ اور آئین سے متعلق دیگر مباحث "قرآنی دستورِ پاکستان" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کئے جا چکے ہیں۔ [2] اسلام غیر مسلموں سے کس قسم کا سلوک روا رکھتا ہے اور انہیں مملکت میں کیا درجہ دیتا ہے۔ یہ ملفوظ بحث ہے جو طلوعِ اسلام میں آ چکی ہے۔ پھر مناسب موقع پر اسے دہرا دیا جائے گا۔ [3] یہ اصولی تصور ہے لیکن چونکہ اب حالات ایسے پیدا کر دیئے ہیں جن سے یہ اصول نا ممکن العمل بن گیا ہے اس لئے طلوعِ اسلام کے نزدیک بحالاتِ موجودہ کانفیڈریشن طرز کی حکومت بہتر ہے۔

ہرگاہ کہ

مسلمانوں کی وجہِ جامعیت اسلام ہے اور یہی وہ تصورِ حیات ہے جس کی بنا پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے تاکہ اس مملکت کے باشندے اس مخصوص تصورِ حیات کے مطابق جس میں اختیارِ حکمرانی کو ایک مقدس امانت قرار دیا گیا ہے' حدود اللہ کے اندر آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

ہرگاہ کہ

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جسے الدینؔ اصلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظامِ زندگی کا بنیادی ضابطہ قرآن ہے

ہرگاہ کہ

قرآن نے انسانی زندگی کے لئے ایک نصب العین مقرر کر دیا ہے اور وہ حدود متعین کر دی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے اختیارات کا استعمال کرے

یہ نصب العین اور حدود غیر متبدل ہیں اور انہی کو ابدی صداقتیں کہا جاتا ہے۔ اسلامی مملکت کا اختیارِ قانون سازی ان ابدی صداقتوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئیات مرتب کرنے تک محدود ہے۔

ہرگاہ کہ

قرآن کی رو سے حیات کا سرچشمہ ایک ہے اور وہی سرچشمہ ان ابدی صداقتوں کا ہے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے سرچشمۂ حیات اور مستقل اقدار کے سرچشمہ کی وحدت کی بنا پر

(i) تمام نوعِ انسان ایک برادری کے افراد ہیں جو جغرافیائی، نسلی، لسانی، وطنی حدود سے متاثر نہیں ہوتی اور

(ii) نوعِ انسانی کی فلاح کا راز ایک ہی ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مضمر ہے۔

ہرگاہ کہ

اسلام کا مقصود ایک معاشرہ کی تشکیل ہے جو اپنی مخصوص آئیڈیالوجی اور فلسفۂ زندگی رکھتا ہے۔ وہ اس کے مطابق، افرادِ انسانیہ کی تربیت کے ذریعے ایک ایسی فضا کی تخلیق کرتا ہے جس میں افراد، اولاً اپنی جماعت میں اس فلسفہ کو عملاً آزماتے ہیں اور اس کے بعد اس کے منافع کو تمام نوعِ انسانی تک پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ معاشرہ ایسا ہوتا ہے جس میں

(i) افرادِ معاشرہ اپنے اندر ان صفاتِ خداوندی کو منعکس کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جنہیں اسمائے الٰہی کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کائنات میں مستقل اقدار کا سرچشمہ ہیں۔

(ii) ان افراد میں ایسا ضبطِ نفس پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ان صفات میں ٹھیک ٹھیک توازن قائم رکھ سکیں

(iii) ان افراد میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ صحیح صحیح فیصلہ کر سکیں کہ فلاں خارجی حادثہ کی صورت میں کس قسم کی صفتِ خداوندی کا ظہور ہونا چاہیئے۔

(iv) افرادِ امت میں قوائے فطرت کی تسخیر کی قوت اور ان کے ماحصل کو فلاحِ انسانیت کے لئے صرف کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(v) انسانی اختیار و ارادہ کی وسعتیں زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور وہ ان پابندیوں کے علاوہ جو حدود اللہ متعین کرتی ہیں ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔

(vi) افرادِ امت، حدود اللہ کی اطاعت کو خارج سے عائد شدہ پابندی نہیں محسوس کرتے بلکہ اس میں اپنی ذات personality کے تقاضوں کی تسکین کا سامان پاتے ہیں۔

(vii) وحدتِ خالق وحدتِ انسانیت اور وحدتِ واسلافِ امت کا تصور محکم سے محکم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

(viii) اس وحدت کے عملی تصور سے انسان اور کائنات، انسان اور انسان' اور خود انسان کی اپنی ذات کے تضادات میں توافق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے انسانی معاشرہ کی تمام ناہمواریاں مٹتی چلی جاتی ہیں۔

(ix) ہر فردِ امت، اپنے آپ کو خدا کی صفت ربُّ العالمینی کا مظہر سمجھتے ہوئے بلا مزد و معاوضہ انسانیت کی ربوبیتِ عامہ کا کفیل بن جاتا ہے۔

(x) احترامِ آدمی کا معیار صرف آدمیت قرار پاتا ہے اور وجہِ تکریم، قانونِ خداوندی کی زیادہ سے زیادہ اطاعت ہوتی ہے۔

(xi) وطن' قومیت، نسل، نسب، زبان، پیشہ وغیرہ کی اضافی نسبتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

(xii) انسان پیشوائیت کی روحانی غلامی اور ملوکیت اور مفاد پرستی کی طبعی غلامی سے یکسر آزاد ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسا معاشرہ میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی طاقت حائل نہیں ہوتی اور کوئی دیوار حاجب نہیں بنتی۔

ہرگاہ کہ

دنیا کے موجودہ نظام ہائے زندگی انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرنے اور اس قسم کے صالحانہ معاشرہ کو متشکل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

لہٰذا

ہم اعلان کرتے ہیں کہ مملکتِ پاکستان ایک ایسی آزاد اور خود مختار مملکت ہے جس کا دستور قرآن کی ابدی صداقتوں پر مبنی ہوگا اور جس میں

(i) تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے فراہم کرنے کی ذمہ داری مملکت پر ہوگی۔

(ii) مملکت ایسا انتظام کرے گی کہ تمام افراد کو ان کی مضمر صلاحیتوں کے پورے طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر میسر ہوں

(iii) حدود اللہ کے دائرۂ عمل کے اندر' افراد کے اختیارات کے استعمال میں کوئی غیر ضروری رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور مملکت ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے کا پورا پورا بندوبست کرے گی۔

(xiii) تمام قدرتی اور مصنوعی وسائلِ پیداوار اصلاً امت کی مشترکہ ملکیت قرار پائیں گے۔ مملکت ان وسائل کو پورے طور پر مسخر کرے گی اور ان کے نتائج کو انسانیت کی نشوونما کے لئے کام میں لائے گی تاکہ عدلِ عمرانی کا تقاضا پورا ہو۔

(xiv) ہر فردِ مملکت' قانون کی نگاہ میں یکساں حیثیت رکھیگا اور اسے بغیر مالی بار کے انصاف بہم پہونچایا جائیگا۔

(xv) مملکت کی اقلیتوں کے ساتھ پورا پورا عدل کیا جائے گا اور ان کی جان و مال عصمت' آبرو، مذہب، معابد سب کی حفاظت کی جائے گی۔

(xvi) ساری مملکت ایک غیر منقسم وحدت ہوگی اور موجودہ صوبائی تقسیم جو ملت کے تشتت و انتشار کا موجب ہے ختم کر دی جائے گی تاکہ یہ نظام جغرافیہ نسل' زبان' رنگ کے امتیازات مٹا کر وحدتِ انسانیت کے نصب العین کی طرف بڑھا کرے اور دنیا میں امن اور خوشحالی عام ہو سکے۔

(xvii) مملکت اس معاشرہ کی تشکیل اور استحکام کرے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

تمام افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گی اور تمام اجتماعی کوششوں کو اس نقطہ پر مرکوز کر دے گی اور اس مقصد کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریگی کہ اس کی ہستی کا جواز ہی اس مقصد کا حصول ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

تاکہ

مملکت پاکستان ایک ایسی تجربہ گاہ بن سکے جو فروغِ آدمیت اور ارتقائے انسانیت کے ذریعہ دنیا سے ہر قسم کے استبداد و استیلاء اور سلبِ نہب کے مٹانے کا موجب ہو اور اقوامِ عالم کی صف میں اسی حیثیت سے ممتاز ہو۔ اس تجربہ کے عملی نتائج کو دیکھ کر تمام نوعِ انسانی ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور

"زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"

ذاتی ملکیت

کا اصول

ملا کے نزدیک بڑا مقدس ہے

لیکن

اس بارے میں قرآن کا حکم کیا ہے؟

اس کی تفصیل

"نظامِ ربوبیت"

میں دیکھئے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

(تمہید۔ مسلسل)

رومیؒ اقبال کے خواب میں آتے اور

گفت اے دیوانۂ اربابِ عشق   جرعۂ گیر از شرابِ نابِ عشق

اقبال سے کہا کر لے وہ کہ تو صاحبانِ عشق کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ خود بھی عشق کی شراب سے ایک گھونٹ کیوں نہیں پی لیتا۔ تاکہ تو بھی وہی کچھ بن جائے جو کچھ وہ بن چکے ہیں۔ جن کے پیچھے تو اس طرح فریفتہ پھر رہا ہے انھیں بھی آتشِ عشق نے ایسا بنایا۔ اس چنگاری کو تو اپنے اندر شعلۂ جوالہ بنالے تاکہ وہ تیرے پیکرِ خاکی کو پھونک دے اور اس کی خاکستر سے ایک نیا اقبال اور اس کی نواؤں سے ایک نئی دنیا پیدا ہو جائے۔

برجگر ہنگامۂ محشر بزن   شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن

تو اس اندیشہ و احتیاط کی دنیا میں کب تک رہے گا۔ فرد کی مصلحت کوشیاں تجھے کب تک شریک وارداتِ قلب ہونے سے روکیں گی تو اٹھ اور اپنے جگر میں حشر برپا کر دینے والا جوش پیدا کر۔ وہم و احتیاط کے شیشوں کو توڑ اور یہ آنکھ جو حقائق پر اس طرح پردے ڈالے ہوئے ہے۔ اس میں محبت کا نشتر چبھو لے اور اس طرح رسوم و احتیاط کی منزلوں سے گذر کر عشق کی مصلحت فراموش وادیوں میں نکل جا اور وہاں

خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز   اشکِ خونیں را جگر پرکالہ ساز

اپنی ہنسی میں وہ کیفیت پیدا کر کہ یہ سینکڑوں آہ و نالہ کا سرچشمہ بن جائے۔ اپنے خون کے آنسوؤں کو اس طرح سینہ میں تھام کہ یہ جگر کے ٹکڑے بن کر نکلیں۔

تا بکے چوں غنچہ می باشی خموش   نکہتِ خود را چو گل ارزاں فروش

تو اس طرح غنچہ کی طرح لب بند کر کے کب تک بیٹھا رہے گا۔ تو نشۂ رنگ اور جوششِ بُو سے اپنے سینہ کو شق کر دے۔ غنچے سے شگفتہ پھول بن جا۔ اور ان پردوں کے اندر لپٹی اور چھپی ہوئی متاعِ جاں نواز کو ساری دنیا میں عام کر دے۔ تاکہ اس خوشبو سے ہر محفل مہک اٹھے اور پوری کی پوری بزمِ ہستی رشکِ صد گلستان بن جائے۔ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے پاس کتنی گراں بہا متاع ہے۔

در گرہ ہنگامہ داری چوں سپند   محمل خود بر سرِ آتش بزن

تیرے قلب کے اندر جوش اور حرارت دونوں اس طرح کھٹے ہوئے خاموش بیٹھے ہیں جیسے حرمل کے دانہ میں اس کی تڑپ اور آواز سوئی ہوئی ہوتی ہے۔ جب اسے آگ پر ڈالو تو وہ تڑاق سے پھٹتا ہے اور ساکن فضا کو متحرک کر دیتا ہے۔ تو جادۂ ہستی پر اس طرحِ سلامت روی میں کب تک چلا جائے گا۔ تو بھی اپنے محمل کو ناقہ کی بجائے آگ کے انگارہ پر ڈال دے تاکہ تیری شعلہ سامانیاں فضائے عالم میں ارتعاش پیدا کرنے کا موجب بن جائیں۔

چوں جرس آخر ز ہر جزوِ بدن   نالۂ خاموش را بیروں فگن

تو تو جرسِ کارواں ہے جس کے رگ و پے میں فغاں پوشیدہ ہوتی ہے۔ تو اس جرس کو لے کر اٹھ تاکہ اس کی رگ رگ سے وہ فریاد اٹھے جس سے مدتوں کے سوئے ہوئے افرادِ کارواں خوابِ مدہوشی سے جاگ اٹھیں اور آمادۂ سفر ہو جائیں۔

آتش استی بزمِ عالم برفروز   دیگراں را ہم ز سوزِ خود بسوز

تو شعلۂ جوالہ ہے۔ تیری موجودگی میں افقِ ملت پر تاریکیوں کے بادل کیوں چھائے رہیں۔ تو اپنے آپ کو بے نقاب کر تاکہ پوری دنیا بقعۂ نور بن جائے۔ تو اپنے اس سوز کی متاعِ گراں بہا کو عام کر دے تاکہ اس آتشِ عشق میں دوسرے بھی جلیں۔

فاش گو اسرارِ پیرِ مے فروش   موجِ مے شو کسوتِ مینا بپوش

تو اٹھ اور میکدے کے ان رازوں کو جسے پیرِ میخانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کھلے کھلے الفاظ میں عام کر دے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تجھے ان حقائق کو الفاظ کے لباس ہی میں پیش کرنا ہوگا۔ لیکن ان الفاظ کی حیثیت وہی ہونی چاہیئے جو شفاف بوتل کی ہوتی ہے۔ وہ موجِ شراب کو ایک قالب میں ڈھالتی ہے لیکن اس کی رنگینیوں کے راستہ میں حائل نہیں ہوتی۔ تیری شاعری میں بھی الفاظ کا فریضہ اتنا ہی ہونا چاہیئے کہ وہ محسوس حقیقت کو اس طرح لباسِ مجاز میں پیش کر دے کہ حقیقت کی بے رنگ کیفیتیں لباس کی زیبائش میں کھو کر نہ رہ جائیں۔

سنگ شو آئینۂ اندیشہ را   بر سرِ بازار بشکن شیشہ را

عقل و فکر کی مصلحت کوشیوں اور حیلہ تراشیوں کے آئینہ کو عشق کی جنوں انگیزیوں کے پتھر سے چکنا چور کر دے۔ اور یہ کچھ اس طرح بر سرِ بازار ہو کہ ہر راہ رو اس ٹوٹتے ہوئے شیشہ کے ٹکڑوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے۔

از نیستاں ہمچو نے پیغام دہ   قیس را از قوم حے پیغام دہ

تو نفیرِ عشق (عشق کی بانسری) بن جا اور گلی گلی کوچہ کوچہ ان آوارگانِ غربت کو اس نیستاں کا پیغام دے۔ جو دنیا میں عشق کی ہر بانسری کا وطن ہے۔ اس بھولے ہوئے مسلمان کے دل میں خاکِ پاکِ حجاز کی یاد پھر سے تازہ کر دے۔ جہاں سے عشق کی لے نوازی کی ابتدا ہوئی اور کائنات کی ایک ایک وادی اس نغمۂ ازل سے گونج اٹھی۔ تو اس عشق فراموش مجنوں تک پہنچ اور اسے لیلیٰ کے قبیلہ کا پیغام دے۔ تاکہ اس سے اس کے دل کی گہرائیوں میں رقص و وجد کے وہی جذبات پھر بیدار ہوں جنھوں نے تیرہ سو سال پہلے کہنہ بساطِ عالم کو الٹ کر اسے ایک نئی ترتیب عطا کر دی تھی۔

نالہ را اندازِ نو ایجاد کن   بزم را از ہاؤہو آباد کن

شاعری کے پرانے انداز کو چھوڑ اور اپنی پیغام رسانی کے لئے ایک اسلوبِ نو اختیار کر اور اس بزمِ خاموش کو پھر ہاؤہو کے ولولہ خیز نعروں سے وجد گری کائنات بنا دے۔

خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را   از قمِ خود زندہ تر کن زندہ را

تو اٹھ اور ہر اس فرد و ملت کو جس کے اندر زندگی کی کوئی رمق بھی موجود ہو ایک حیاتِ تازہ عطا کر۔ تو مسیحائے امت ہے تو قم باذن اللہ کے پیغامِ حیات بخش سے ہر زندہ کو زندہ تر کر دے۔ قرآن میں ہے کہ یہ پیغامِ حیات انہی کو زندگی عطا کر سکتا ہے۔ جس کے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت ہو لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وہ چلتی پھرتی لاشیں جن میں صحیح زندگی قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی، انھیں کوئی تنذیر فائدہ نہیں دے سکتی إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اقبال بھی قرآن کی اتباع میں یہی کہتا ہے کہ

اگر یک قطرہ خوں داری، اگر مشتے پرے داری
بیا من با تو آموزم طریقِ شاہبازی را

اس کیلئے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے تمام پامال راستوں کو چھوڑنا ہوگا اور ایک ایسا اسلوبِ بیان ایجاد کرنا ہوگا جو قرآن کو حالاتِ حاضرہ کے مطابق پیش کر سکے۔

خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ   جوشِ سودائے کہن از سر بنہ

تو اٹھ اور ایک بالکل نئے راستہ پر گامزن ہو جا۔ پرانے تصورات، کہنہ تخیلات اور انسانوں کے بنائے ہوئے فرسودہ معتقدات کو ذہن سے الگ کر دے۔

آشنائے لذتِ گفتار شو   اے درائے کارواں بیدار شو

تو کب تک خاموش رہے گا تو اب یہ بھی دیکھ کہ بات کہنے اور پیغام پہنچانے میں کیا لذت ہوتی ہے۔ تو کارواں ملت کیلئے بانگِ درا ہے۔ تیری خاموشی سے پورا کارواں سویا رہے گا۔ تو بیدار ہو تاکہ تیری بیداری سے یہ سب آمادۂ سفر ہو جائیں۔ یہ تھا وہ پیغام جو رومیؒ نے خواب میں اقبال کو دیا۔ چنانچہ اقبال کہتا ہے۔

زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم
مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم

رومیؒ کے اس پیغام سے میرے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ میں سراپا سوز بن گیا۔ میں عشق کی نفیر بن کر اٹھا تاکہ بزمِ ہستی میں ہنگامہ پیدا کر دوں۔

تاریخی شواہد

(۲۲)

قوم ثمود

گذشتہ اشاعت مورخہ ۲ جولائی ۱۹۵۵ء میں تاریخی شواہد کی قسط نمبر ۲۱ غلطی سے بغیر عنوانات کے شائع ہوگئی ہے جس سے مضمون کو سمجھنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس مضمون کا پہلا حصہ حضرت لقمان سے متعلق تھا جو پچھلے سلسلہ (۲۰) کا تھا اس کے بعد دوسرے حصے میں ہود کے باب کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ قوم ثمود سے متعلق ہے جو ایک مستقل باب ہے اور مستقل عنوان کا محتاج تھا۔ تسلسل قائم رکھنے کے لیے اس تیسرے حصہ کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

طلوع اسلام

حضرت صالح

امم سامیہ میں سے جن قبائل نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ (بلکہ قوم) ثمود کا تھا۔ ان کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد کا ہے۔ یہ قوم عرب کے شمال مغربی حصہ پر حکمران تھی۔ جسے وادی قریٰ کہتے تھے۔ حجران کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم راستہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔ وادی قریٰ کے گرد و پیش کا میدان براسر سرسبز و شاداب ہے لیکن آتش فشاں مادے سے لبریز۔ قرآن کریم نے اس قوم کو عاد کا جانشین بتایا ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (۷/۷۴)

(اور وہ وقت یاد کرو جب کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا، اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔ پس اللہ کی قدرتوں کو یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے، خرابی نہ پھیلاؤ۔

حضرت موسیٰ کے زمانے سے پیشتر ان کی تباہی ہو چکی تھی کیونکہ دربار فرعون کا مرد مومن اپنی قوم سے کہتا ہے کہ:۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم ... وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ (۴۰/۳۰-۳۲) ص ۲۱

اور دربار فرعون کے) مرد مومن نے کہا کہ "اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اپنے اس انکار اور بدعملی سے باز نہ آئے تو مجھے تمہارے متعلق (بھی) اور دوسری قوموں جیسے روزِ بد کا اندیشہ ہے (مثلاً) جیسے قوم نوح، اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کی قوموں (مثلاً قوم لوط وغیرہ) کا حال ہوا ہے۔ (کہ وہ تباہ کر دی گئیں اور صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان ہی مٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ ان ہی کی بداعمالیوں کے نتائج تھے۔ ورنہ) خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کرتا۔ اے میری قوم! میں تمہارے متعلق چیخ پکار کے دن (یوم مجازات عمل) سے ڈرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس قوم کا زمانہ قریب اڑھائی ہزار ق۔م۔ سے لے کر ۱۹۰۰ ق۔م تک کا ہے اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنی نوازشات کی بھرمار فرما رکھی تھی۔ انھیں تمکن فی الارض کیا۔

وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ (۷/۷۴)

اور اس نے تمہیں زمین میں اس طرح بسا دیا کہ ......

قوم عاد کی طرح یہ لوگ بھی میدانوں میں رفیع و وسیع محلات تعمیر کرتے تھے۔ اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتے جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے۔

تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا (۷/۷۴ نیز ۲۶/۱۴۹)

(اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ) میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔

پرفضا باغات۔ لہلہاتی کھیتیاں۔ صاف و شفاف ابلتے ہوئے چشمے۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ۝ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ۝ (۲۶/۱۴۶-۱۴۹)

(اور یاد کرو جب صالح نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ) کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس (موجودہ) حالت میں تم یہاں ہو۔ اس میں بے فکر چھوڑ دیئے جاؤ گے (پرفضا) باغات (ابلتے ہوئے) چشموں اور (لہلہاتی) کھیتیوں اور کھجوروں (کے باغوں) میں جن کے خوشے گتھے ہوئے ہیں اور اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے پہاڑوں سے تراش تراش کر مکانات بناتے رہو گے (ہرگز نہیں، تمہیں اپنی بدعملیوں اور انکار کے برے نتائج کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے)

وادی قریٰ میں سنگین عمارات۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ (۸۹/۹)

اور (کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے پروردگار نے) قوم ثمود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا! (کون سی قوم ثمود؟) وہی جنھوں نے پہاڑوں کے دامنوں میں (بڑی بڑی چٹانوں کو تراشا اور مکانات بلکہ قلعے بنائے تھے)

قومی اکثریت اور جنود و عساکر۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ۝ (۸۵/۱۷-۱۸)

(اور اے پیغمبر اسلام!) تمہیں لشکروں (جنود و عساکر) کی خبر بھی پہنچی (یا نہیں!) کون سے جنود و عساکر؟) فرعون اور قوم ثمود کے جنود و عساکر کی:

یہ تھی وہ قوم جن کی طرف خدا کے پیغمبر آتے رہے۔ لیکن انھوں نے اپنی دولت و حشمت۔ حکومت و قوت کے نشے میں قوانین الٰہیہ کی تکذیب کی۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۝ (۱۵/۸۰)

اور دیکھو! حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی۔

یہاں ان کے دارالحکومت کی نسبت سے اصحاب الحجر کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ ان کا نام مذکور ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۝ (۲۶/۱۴۱)

(اور دیکھو) قوم ثمود نے رسولوں کی بات جھٹلائی

سورۂ قمر میں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ (۵۴/۲۳)

(اور دیکھو) قوم ثمود نے (انکار و بدعملی کے بدنتائج سے) ڈرانے والوں کی بات جھٹلائی۔

تا آنکہ جب ان کی سرکشی و عدوان حد سے بڑھ گئی اور قانون مشیت کے مطابق مہلت کا زمانہ ختم ہونے کو آیا تو ان کی طرف، اسی قبیلے سے حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا (۷/۷۳ نیز ۱۱/۶۱)

اور (دیکھو) ہم نے قوم ثمود کی طرف انہی کے بھائی بند صالح کو مبعوث کیا

اتباعِ سُنّت میں اختلافات

[ہمارے ارباب شریعت کا مطالبہ ہے کہ ملک میں کوئی قانون ایسا نہ بنایا جائے جو سنت رسول اللہؐ کے خلاف ہو کیونکہ اتباع سنت ہی کا نام دین ہے۔ چھوٹے چھوٹے فرقوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں جو اہم فرقے ہیں۔ ایک شیعہ اور دوسرے سنی۔ ان دونوں فرقوں کے نزدیک سنت رسول اللہؐ کا مفہوم الگ الگ ہے۔ شیعہ حضرات کی کتب احادیث سنیوں کی کتب احادیث سے الگ ہیں۔ ان دونوں میں اتباع سنت کا اختلاف کس قدر ہے۔ اس وقت اس موضوع سے صرف نظر کرکے صرف سنیوں کو لیجئے۔ سنی (یعنی اہل سنت والجماعت) حضرات میں، اہل فقہ اور اہل حدیث دونوں شامل ہیں۔ اہل فقہ اپنے ائمہ کی فقہ کے متبع ہیں اور اہل حدیث محدثین کے متبع۔ اور دونوں کا دعوےٰ ہے کہ وہ متبع سنت ہیں۔ پاکستان میں اہل فقہ میں حنفی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

بظاہر ہے کہ جب محدثین اور اہل فقہ (یعنی پاکستان میں اہل حدیث اور حنفی) حضرات دونوں کا دعوےٰ یہ ہے کہ وہ متبع سنت ہیں۔ تو ان میں کسی معاملہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں باہمی اختلافات اس قدر ہیں کہ وہ حد شمار میں نہیں آ سکتے ذیل میں قریب سو ایک ایسے معاملات پیش کئے گئے ہیں جن میں حنفی مسلمانوں کا مسلک اور ہے۔ اور اہل حدیث اور شافعی مسلمانوں کا اور۔ اور اس کے باوجود دونوں اتباع سنت کے مدعی ہیں۔ یہ مثالیں بظاہر چھوٹے چھوٹے سے معاملات کی دکھائی دیں گی۔ لیکن ملک کے قانون میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مثلاً "بائیں طرف چلو" ایک معمولی سی بات ہے جسے زندگی کے اہم حقائق سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہی چیز جب ایک ملک کا قانون بن جاتی ہے تو اسے خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اب فرض کیجئے کہ پاکستان نے یہ معاملہ طے کرنا ہے کہ ملک کا قانون اس باب میں کیا ہونا چاہیئے۔ اگر اہل احناف کا فتوےٰ ہو کہ دائیں طرف چلنا ناجائز ہے اور محدثین کا ارشاد ہو کہ بائیں طرف چلنا ناجائز ہے تو فرمایئے کہ سنت رسول اللہؐ کے مطابق ملک کا قانون کونسا ہوگا؟ اسی ایک مثال سے باقی معاملات پر بھی قیاس کر لیجئے اور یہ بھی سوچ لیجئے کہ اگر پاکستان کے آئین میں یہ شق درج ہوئی کہ ملک کا کوئی قانون ایسا نہیں بنایا جائے گا جو سنت کے خلاف ہو تو جب اس شق کو عمل میں لایا جائے گا تو اس وقت کیا مشکل پیش ہوگی؟ ہماری مصیبت یہ ہے کہ کوئی شخص ان مشکلات کا تو اندازہ لگاتا نہیں اور سب کے سب خالی جذبات کی شدت میں پکارتے چلے جاتے ہیں کہ ایک اسلامی مملکت کا قانون سنت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ کوئی بتاتا ہے کہ وہ سنت کہاں سے ملیگی؟

بہرحال ذیل کی مثالوں سے دیکھئے کہ زندگی کے روزمرہ کے معاملات میں جن کے تصفیہ کے لئے ملک میں قانون بنایا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک سنت کے مطابق کیا فیصلہ ہے؟ اور محدثین کے نزدیک کیا؟

علامہ تمنائی ؔ (جنہوں نے ان مثالوں کو ترتیب دیا ہے) لکھا ہے کہ ان اختلافات کے سلسلہ میں انہوں نے صرف ہدایہ کو سامنے رکھا ہے۔ اس لئے ان کے حوالہ کے لئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ (طلوع اسلام)

اختلافات فی المعاملات

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
(۱) ایجاب وقبول کے بعد بیع۔ فریقین کے حق میں لازم ہو جاتی ہے اور کسی کو حق فسخ نہیں رہتا۔ الّا یہ کہ بیع میں کوئی عیب بعد کو معلوم ہو یا بے دیکھی چیز کی خرید و فروخت ہوئی ہو	جب تک مجلس باقی ہو خیار فسخ باقی ہے
(۲) پھلوں کی خرید و فروخت باستثنائے مقدار معین اس طرح کہ کرکہ اس درخت کے سارے پھل بجز سو عدد کے یا پھلوں کا یہ انبار جو سامنے رکھا ہے بغیر ان کی تعداد معلوم کئے ہوئے اس انبار میں سے تیس پھل (مثلاً) کے سواسب کی بیع جائز ہے	محدثین ومالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے
(۳) جو یا گیہوں اپنی بالیوں سے نکالا نہ گیا ہو۔ اس کی بیع جائز ہے۔ اسی طرح باقلاکی بیع جو اپنے قشر (چھلکے) میں ہو یا ہرے چنے کی فصل جس کو عوام (جھنگرا) کہتے ہیں۔ ان سب کی بیع جائز ہے۔	محدثین وشوافع ناجائز کہتے ہیں۔
(۴) بیع میں بشرط فسخ ہو تو حنفیہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ کے لئے جائز نہیں۔ مگر صاحبین کے نزدیک زیادہ مدت کے لئے بھی جائز ہے۔ فتوے کبھی امام صاحب کے قول پر دیئے گئے ہیں کبھی صاحبین کے قول پر	محدثین وشوافع مالکیہ کے نزدیک زیادہ مدت کے لئے بھی جائز ہے
(۵) خیار شرط کی صورت میں اگر فسخ بیع کیا جائے تو فریقین کی موجودگی ضروری ہے۔	محدثین وشوافع کے نزدیک ضروری نہیں کہ دونوں فریق موجود ہوں ایک ہی بھی فسخ کر سکتا ہے
(۶) خیار شرط ورثہ پر منتقل نہیں ہوتا	منتقل ہوتا ہے
(۷) بے دیکھی چیز کی خرید و فروخت کو دیکھنے کے بعد فسخ کا اختیار باقی رہے۔ جائز ہے	جائز نہیں یعنی بیع ہی جائز نہیں
(۸) انڈا، لکڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ کو اگر اچھا سمجھ کر خریدا گیا۔ مگر بالکل بیکار نکلا۔ یا کسی قدر بیکار نکلا۔ بصورت دوم بقدر خرابی قیمت واپس دلائی جائے گی۔ بصورت اول پوری قیمت اگر خریدار چاہے تو واپس لے سکتا ہے	دونوں صورتوں کا ایک حکم ہے خریدار کو ہر دو حال میں واپسی کا اختیار ہے
(۹) درخت میں جو پھل ہیں جن کی مقدار معلوم نہیں۔ ان کا تبادلہ ان پھلوں سے جو درخت سے علیحدہ ہیں جائز نہیں کیونکہ ان کی تعداد معلوم ہے یا معلوم کر لی جا سکتی ہے	اگر درخت کے پھل قلیل مقدار میں ہوں تو جائز ہے۔
(۱۰) شہد کی مکھیوں کی بیع جائز نہیں	جائز ہے اگر وہ یکجا اور محفوظ ہوں
(۱۱) جانوروں کے دودھ کی طرح عورتوں کے دودھ کی فروخت برتنوں میں جائز نہیں	جائز ہے
(۱۲) ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے درمیان تبادلہ تفاضل کے ساتھ سود ہے۔ اگر وہ تول کر یا ناپ کر فروخت ہوتی ہوں چاہے وہ غلہ کی قسم سے ہوں یا سونے چاندی کی قسم سے جیسے لوہا۔ تانبا۔ پیتل وغیرہ۔	سونے چاندی اور غلہ کے سوا دوسری چیزوں کا تبادلہ بالتفاضل جائز ہے جیسے لوہے تانبے، پیتل، رانگ، سیسہ، جست وغیرہ کا تبادلہ بالتفاضل جائز ہے
(۱۳) گائے کے دودھ کا تبادلہ بکری کے دودھ سے بالتفاضل جائز ہے۔ اسی طرح ایک انڈے کا تبادلہ دو انڈوں سے جائز ہے	ناجائز ہے
(۱۴) دار الحرب میں مسلم و کافر کے درمیان سودی لین دین ناجائز نہیں۔	ناجائز ہے
(۱۵) حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں۔ یعنی قیمت یا معاوضہ پہلے دیدیا جائے۔ مال بعد کو دیا جائے یہ جائز نہیں۔	جائز ہے

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
(۱۶) سلم ایسی صورت میں جائز ہے کہ عقد بیع کے وقت سے لے کر مال ادا کرنے کے وقت تک مسلم فیہ موجود رہے یعنی جس چیز کا معاملہ کیا جا رہا ہے وہ موجود رہے	صرف ادا کرنے کے وقت مال کی موجودگی ضروری ہے۔
(۱۷) بیع سلم کے جواز کے لئے (اجل) یعنی وہ وقت کہ جس کے آنے پر مال ادا کر دیا جائے گا۔ اس کا مقرر ہونا ضروری ہے۔	ضروری نہیں
(۱۸) کتوں چیتوں اور دوسرے درندوں کی بیع ناجائز ہے	کتوں کی بیع جائز ہے
(۱۹) چاندی اور سونے کا تبادلہ، گیہوں اور چاول کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ جنس بدل جانے کی وجہ سے جائز ہے۔	ناجائز ہے کیونکہ چاندی سونا دونوں ثمنین ہیں اور دونوں دھات زمین کی پیداوار ایک جنس ہیں۔ اسی طرح گیہوں اور چاول دونوں غلے ہیں۔ اور زمین کی پیداوار اس لئے جنس ایک ہے۔
(۲۰) کفالت بالنفس (شخصی ذاتی ضمانت یعنی مجرم کو طلبی کے وقت حاضر لانے کی ضمانت کہ اگر وہ حاضر نہ لا سکے تو اس کی جگہ یہی ضامن مجرم کی سزا بھگتے گا) جائز ہے	بعض محدثین کے نزدیک اور شوافع کے نزدیک ناجائز ہے
(۲۱) کفالت بالنفس کے ساتھ کفالت بالمال بھی جائز ہے۔	جائز نہیں
(۲۲) مدیون کے قرض کی ضمانت کسی شخص نے لے لی کہ اگر یہ ادا نہ کرے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ اس کے بعد وہ ضامن مر گیا۔ یا دیوانہ ہو گیا۔ یا مفلس و قلاش ہو گیا ہے تو دائن اس مدیون سے اپنے دین کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔	دائن مدیون سے مطالبۂ دین کا حق نہیں رکھتا اگرچہ اس کا دین ادا نہ ہو۔
(۲۳) کسی غیر مجتہد کو اگر قاضی بنا دیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ اگرچہ غیر مجتہد کو قاضی بنانا خلاف اولیٰ ہے	غیر مجتہد قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔
(۲۴) قاضی کا اجلاس پبلک جگہ میں نہیں بلکہ مسجد جامع میں ہونا چاہیئے۔	مسجد میں نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ نہیں ہو سکتا
(۲۵) جو معاملات عورتوں ہی سے متعلق ہیں۔ مردان کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ ان میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔	کم سے کم چار عورتوں کی شہادت ہونی چاہیئے۔
(۲۶) جس پر حد قذف جاری ہو چکی ہے۔ اس کی شہادت توبہ کے بعد بھی معتبر نہیں۔	توبہ کے بعد معتبر ہے۔
(۲۷) احد الزوجین کی شہادت دوسرے کے حق میں معتبر نہیں۔	معتبر ہے
(۲۸) فرقہ خطابیہ (جو اپنے فرقے کے کسی شخص کو بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتا ہے) اس کے سوا ہر فرقہ اسلامیہ کی شہادت معتبر ہے خواہ وہ فرقہ مبتدعہ ہو۔	اہل بدعات کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں
(۲۹) ولد الزنا کی شہادت معتبر نہیں ہر موقعہ پر خواہ وہ قابل اعتبار ہو۔	زنا کے معاملہ میں معتبر نہیں
(۳۰) دو گواہوں کی شہادت کے خلاف کہ ان دونوں کی شہادت جھوٹی ہے) دو گواہوں کی شہادت کافی ہے	چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کے خلاف دو دو گواہ۔
(۳۱) جھوٹی گواہی کی سزا میں صرف بازاروں میں تشہیر کافی ہے	مارپیٹ بھی کرنی چاہیئے۔ یا قید خانے میں ڈال دینا چاہیئے شوافع کے نزدیک
(۳۲) جھوٹی گواہی کی بنا پر اگر کسی بے جرم کو قتل کے الزام میں سزا دے دی گئی اور قصاص میں وہ بے جرم قتل کر دیا گیا۔ تو جب گواہوں کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا تو ان گواہوں سے دیت وصول کی جائے گی ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔	ان گواہوں سے قصاص لیا جائیگا۔
(۳۳) قبضہ کا اختلاف ہو۔ اور دونوں کی طرف سے بینہ پیش کئے جائیں تو اس تعارض کی صورت میں غیر قابض کا بینہ اولیٰ سمجھا جائے گا	قابض کا بینہ اولیٰ قرار دیا جائیگا۔
(۳۴) مدعی گو بینہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہ کر سکا۔ اور مدعا علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ دے گا	ایسی حالت میں قاضی مدعی سے قسم کھلوائے گا۔ اگر مدعی نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائیگا ورنہ نہیں۔
(۳۵) کسی نے اپنے مرض موت میں اپنے ذمے کسی کے قرض کا اقرار کیا۔ اور اس دین کا کوئی کاغذی ثبوت یا گواہ بھی موجود ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ اور بھی قرض ہیں۔ جن کے گواہ اور ثبوت بھی موجود ہیں لیکن مرنے والے کا مال اتنا نہیں ہے کہ سب کا قرض اس سے ادا ہو تو جس کے قرض کا اس نے اپنے مرض موت میں ذکر کیا تھا۔ وہ پہلے ادا کر دیا جائے گا۔	سب قرض برابر ہیں۔ اس لئے بقدر حصہ رسدی اس کے مال میں سے سب کو ملیگا
(۳۶) مرض موت میں کسی وارث کے دین کا اقرار معتبر نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ دوسرے ورثہ اس کو مان لیں۔	معتبر ہوگا۔ دوسرے ورثا مانیں یا نہ مانیں
(۳۷) اگر کوئی چیز کسی کو عاریت دی گئی۔ اور وہ ضائع ہو گئی تو وہ چیز امانت کی حیثیت میں ہو گی۔ اور تاوان نہیں دلوایا جائے گا۔	تاوان دلوایا جائے گا۔
(۳۸) عاریت لی ہوئی چیز کو عاریت دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ ضائع جانے یا کسی طرح کی خرابی کا اندیشہ نہ ہو۔	جائز نہیں
(۳۹) عقد ہبہ بغیر قبضے کے نافذ نہیں ہوتا۔	بعض محدثین اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایجاب قبول سے نافذ ہو جائیگا
(۴۰) ذی رحم محرم کے سوا کسی اور کو ہبہ کرنے کے بعد اس ہبہ سے خاص شرائط کے ماتحت رجوع جائز ہے۔	ہبہ سے کسی حالت میں بھی رجوع جائز نہیں۔
(۴۱) اگر راستہ محفوظ ہو تو ودیعت کو ساتھ لے کر سفر کرنا جائز ہے	ناجائز ہے اگرچہ راستہ پر امن ہو
(۴۲) اجارہ (کرایہ) میں عاقدین میں سے کسی ایک کو بھی بخوف ضرر یا کسی ضرورت کی وجہ سے حق فسخ حاصل ہے اگرچہ دوسرا فریق اس سے راضی نہ ہو۔ مثلاً رکشا یا ٹیکسی وغیرہ کرایہ کی۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد رکشا یا ٹیکسی والے نے راستہ کی خرابی کا اندازہ کیا۔ اس لئے جانے سے انکار کر دیا۔ یا جانے والے کو کچھ خیال آیا۔ اور وہ جانے سے باز رہنا چاہتا ہے۔ تو دونوں کو حق فسخ حاصل ہے	بلا رضامندی فریق کسی دوسرے فریق کو حق فسخ حاصل نہیں۔
(۴۳) کسی کافر نے اسلام قبول کرنے کے بعد کسی سابق مسلمان سے یہ معاہدہ کیا کہ میرے بعد تم میرے وارث ہو گے۔ اور میرا قرض وغیرہ تم ادا کرو گے تو یہ معاہدہ صحیح ہے۔ اس نو مسلم کے مرنے کے بعد وہ سابق مسلمان اس کا وارث ہوگا۔ اور اس کا قرض وغیرہ وہی ادا کرے گا۔ اور اگر سابق مسلمان ہی پہلے مر گیا تو اس کے ذوی الفروض ورثہ کے حصہ دینے کے بعد اس نو مسلم کو عصبۃً باقی مال ملے گا جو ورثہ سے بچ رہا۔ بشرطیکہ کوئی نسبی عصبہ اس مسلمان کا نہ ہو۔	ایسا معاہدہ جائز نہیں اور کوئی ان میں سے کسی کا وارث نہ ہوگا۔ اور کوئی کسی کے مرنے کے بعد اس کا قرض ادا نہ کرے گا۔

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
(۴۴) جبر واکراہ کی طلاق وعتاق نافذ ہے	نافذ نہیں
(۴۵) کسی ماذون بالتجارۃ کو صرف گیہوں کی تجارت کی اجازت دی گئی ہو۔ تو یہ اجازت ہر قسم کے غلّے کی سمجھی جائے گی۔ اور وہ ماذون چاول، جو، مٹر وغیرہ بھی بیچ سکتا ہے۔	صرف گیہوں ہی کی تجارت کی اجازت سمجھی جائے گی۔ دوسرے غلوں کی تجارت اس کے لئے جائز نہ ہوگی۔
(۴۶) کسی شخص نے کسی کا مکان غصب کر لیا۔ اور اس پر قابض ہو گیا۔ مگر مالک کا مالکانہ حق باقی ہے۔ مثلاً ٹیکس چوکیداری یا میونسپلٹی میں نام مالک ہی کا ہے مالک ہی ٹیکس ادا کرتا ہے اور رسیدیں حاصل کرتا ہے اس طرح مالک کا مالکانہ حق اس مکان پر باقی ہے تو اگر غاصب کے قبضے کے بعد وہ مکان زلزلہ یا سیلاب یا اور کسی آفت ناگہانی کی وجہ سے منہدم ہو گیا۔ تو غاصب سے مالک کو تاوان نہیں دلوایا جائے گا۔ جب تک کہ یہ معلوم بالثبوت نہ ہو کہ وہ مکان غاصب ہی کے فعل سے منہدم ہوا ہے یا غاصب نے اپنی حقیت وملکیت اسی مکان پر قائم کر لی ہے۔ اس صورت میں مالک کو بہر حال تاوان دلوایا جائے گا۔	بہر حال مالک کو غاصب سے تاوان دلوایا جائے گا۔
(۴۷) کسی مغصوبہ چیز کو لاپتہ کر دیا۔ مالک سے کہدیا کہ وہ چیز اب باقی ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد مالک کو تاوان ادا کر کے اس سے صفائی کر لی۔ اس صفائی کے بعد غاصب نے اس مغصوبہ چیز کو ظاہر کیا۔ تو وہ غاصب اس مغصوبہ چیز کا مالک جائز قرار پائے گا۔	غاصب اس مغصوبہ چیز کا اس حالت میں مالک جائز نہیں قرار دیا جائے گا۔ جب تک اصل مالک اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کرے۔
(۴۸) مغصوبہ زمین کی پیداوار غاصب کے پاس مالک کی امانت کی حیثیت میں رہیگی۔ اگر کسی آفت ناگہانی سے ضائع ہو گئی۔ تو مالک اس غاصب سے تاوان وصول نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر غاصب کے فعل سے ضائع ہو جائے۔ تو مالک تاوان لے گا۔	بہر حال مالک تاوان وصول کر سکتا ہے۔
(۴۹) شئے مغصوبہ سے غاصب نے فائدے اٹھائے اور مال مغصوبہ میں اس انتفاع سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ تو مالک کو غاصب سے کوئی تاوان نہیں دلوایا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی خرابی پیدا ہو گئی تو بقدر خرابی تاوان دلوایا جائے گا	بہر حال مالک کو غاصب سے تاوان دلوایا جائے گا۔
(۵۰) کسی کافر ذمی کی شراب یا سور (خنزیر) کوئی مسلمان تلف کر دے۔ تو اس مسلمان سے اس ذمی کو تاوان دلوایا جائے گا	نہیں دلوایا جائے گا
(۵۱) حق شفعہ صرف جوار (پڑوس) سے حاصل ہو جاتا ہے۔	صرف پڑوس سے حاصل نہیں ہوتا جب تک شرکت بھی نہ ہو۔
(۵۲) اگر ایک مکان میں کئی شریک ہیں۔ ایک نصف کا۔ ایک ربع کا اور دو ثمن ثمن کے ایک ثمن والے نے بیع کیا تو سب کو برابر حق شفعہ ہوگا	سب کو اپنی رسدی کے مطابق حق شفعہ حاصل ہوگا۔
(۵۳) مال غیر منقولہ چاہے قابل تقسیم ہو (جیسے کھیت یا باغ وغیرہ) چاہے قابل تقسیم نہ ہو (جیسے ایک چھوٹی سی کوٹھری یا حمام یا پن چکی وغیرہ) بہر حال حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔	ایسی چیز میں حق شفعہ نہیں جو ناقابل تقسیم ہو۔

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
(۵۴) مہر میں شوہر کو بیوی دے یا خلع میں بیوی شوہر کو دے یا کسی اجرت میں یا بدل صلح یا تاوان میں اگر کوئی کھیت یا باغ وغیرہ دیا جائے۔ تو اس میں حق شفعہ کسی کو نہیں پہونچتا۔	حق شفعہ شرکاء کو پہنچتا ہے
(۵۵) حق شفعہ میں وراثت نہیں چلتی۔	چلتی ہے
(۵۶) عقد مساقاۃ (یعنی درختوں کے مالک سے کسی کا اس طرح معاملہ کرنا کہ میں اسکی رکھوالی کروں گا۔ پانی دوں گا۔ اور جو اسکی ضرورت ہوگی پوری کروں گا۔ جو پھل ہوں گے اس میں اس قدر حصہ میرا ہوگا) جائز نہیں۔	جائز ہے (صاحبین کے نزدیک بھی جائز ہے)
(۵۷) عقد مزارعت احناف وشوافع دونوں کے نزدیک جائز نہیں۔	بعض محدثین کے نزدیک جائز ہے اور شوافع کے نزدیک عقد مساقات کی تبعیت میں جائز ہے۔
(۵۸) صاحبین کے قول کی بنا پر ہر کھیت ہر باغ اور ہر قسم کے درخت کے لئے عقد مساقات جائز ہے۔	صرف کھجور یا انگور کے لئے جائز ہے
(۵۹) ایک مسلم ذبح کے وقت تسمیہ اگر قصداً چھوڑ دے (اگر تسمیہ سے انکار نہ ہو) ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ اور وہ ذبیحہ میتہ کے حکم میں ہوگا۔ ہاں اگر نسیاناً چھوٹ گیا ہے تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔	بعض محدثین اور شوافع کے نزدیک قصداً ہو یا نسیاناً دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال رہے گا۔ اور مالکیہ اور بعض محدثین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہوگا۔ میتہ کے حکم میں سمجھا جائیگا۔
(۶۰) ناخن یا دانت یا سینگ کسی جانور اگر اس کے جسم سے الگ کسی کے پاس موجود ہو اور چھری وغیرہ نہ ہو تو انھیں چیزوں سے اگر جانور کو ذبح کر لیا۔ تو وہ جانور حلال ہوگا۔ اگرچہ مکروہ فعل سمجھا جائے گا۔ مگر یہ کراہت اس جانور کی حلت میں موثر نہ ہوگی۔	حرام ہوگا اور میتہ کے شمار میں ہوگا۔
(۶۱) ذکاۃ اضطراری۔ جیسے کسی جانور پر دیوار گر گئی! اس کا سر وغیرہ جسم کا کل ملبے کے نیچے دبا ہوا ہے یقین ہے کہ جب تک ملبہ ہٹایا جائے جانور مر جائے گا۔ صرف ٹانگیں یا دم باہر ہے تو جو حصہ باہر ہے اسی پر چھری چلا کر تسمیہ کے ساتھ ذبح کر لیا جائے گا۔ اور جانور حلال ہوگا۔ اگرچہ حلق پر چھری نہ چلائی جا سکی۔ اسی طرح کوئی جانور ذبح کے وقت کھل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب اگر اس کو پکڑتے ہیں تو وہ پکڑنے والوں کو ہلاک یا زخمی کر دے گا ایسی حالت میں اس کو بسم اللہ کہہ کر چھری پھینک کر زخمی کر کے گرا سکتے ہیں۔ اگر وہ زخمی ہو کر دور کسی جگہ بھاگ کر گر گیا۔ اور اب زیادہ خون بہنے سے مر گیا۔ تو حلال ہے۔ اگرچہ گردن پر کوئی زخم نہ لگا۔ اسی طرح کوئی جانور کنوئیں میں گر جائے۔ اس کے ڈوب کر مر جانے کا اندیشہ ہو تو بڑے ڈنڈے یا رسی میں چھری باندھ کر اس کو زخمی کر دیا جائے کہ کنوئیں میں زخمی ہو کر مرے اگر خون اس کے بدن سے کافی بہہ گیا ہے تو حلال ہے	ان سب صورتوں میں، وہ جانور حرام ہے کیونکہ وہ ذبح سے نہیں مرا بلکہ ملبے سے دبنے کی وجہ سے یا زخموں کی تکلیف اور زیادہ اس تکلیف میں زیادہ دوڑنے بھاگنے کی وجہ سے یا کنوئیں کے پانی میں ڈوب کر مرا ہے۔ ذبح کی وجہ سے اس کی جان نہیں نکلی۔
(۶۲) ذبیحہ کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ وہ میتہ کے حکم میں ہے۔	جائز ہے۔ (صاحبین کا بھی یہی قول ہے)
(۶۳) ضبع (بجو) ضب (گوہ) اور ثعلب (لومڑی)	حلال ہے

عند الاحناف	عند المحدثین و شوافع وغیرہم
کا کھانا مکروہ تحریمی۔ یعنی حرام ہے	
(۶۳) گھوڑا مکروہ ہے	حلال ہے (صاحبین کے نزدیک بھی)
(۶۴) حرام جانوروں کو اگر ذبح کر لیا ہے بسم اللہ کہہ کر تو اس کی کھال، چربی اور گوشت طاہر ہے ناپاک نہیں۔ صرف کھانا حرام ہے۔	ناپاک ہے۔
(۶۵) دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے اور وہ بھی جو طافی نہ ہو۔ یعنی اپنی موت یا چوٹ وغیرہ سے مر کر پانی کے اوپر نہ آگئی ہو۔ یعنی وہی مچھلی حلال ہے جو زندہ پکڑی گئی ہو۔ اس کے بعد مری ہو۔	سب دریائی جانور حلال ہیں۔
(۶۶) شیشہ، بلور یا عقیق وغیرہ قیمتی پتھروں کے برتنوں میں کھانا جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔	مکروہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک ناجائز۔
(۶۷) ناف سے لے کر گھٹنوں تک ستر میں داخل ہے نماز میں مردوں کے لئے ان کا چھپانا لازم ہے	صرف ستر غلیظہ کا چھپانا کافی ہے۔ یعنی چوتڑ اور کنج ران اور ان کے درمیان جو کچھ ہے۔ صرف اسی کا چھپانا لازم ہے۔ اگر کنج ران سے نیچے کا حصہ یعنی گھٹنے سے اوپر کا حصہ ران اور پیڑو کھلا ہو تو نماز ہو جائیگی۔
(۶۸) جانوروں کی لید کی بیع جائز ہے	ناجائز ہے۔
(۶۹) ہر مسجد یہاں تک کہ مسجد حرام میں بھی ذمی کافر داخل ہو سکتا ہے	بعض محدثین و شوافع کے نزدیک مسجد حرام میں وہ داخل نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری مساجد میں داخل ہو سکتا ہے بعض محدثین اور مالکیہ کے نزدیک کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔
(۷۰) انگور کا عرق پکا کر جب اس کا ثلث رہ جائے جس کو ثلث کہتے ہیں۔ اگر اس میں سکر نہ ہو تو جائز ہے	ناجائز ہے
(۷۱) شراب کا سرکہ بنا لینا جائز ہے۔ جب سرکہ بن گیا تو حلال و طیب ہے۔	حرام ہے۔ بنانا بھی حرام اور اس کا استعمال اکلاً و شرباً حرام ہے
(۷۲) شکاری نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ کہہ کے ایک شکار پر چھوڑا۔ وہ شکار تو کتے کے قبضے میں نہ آسکا۔ مگر کتا ایک دوسرا شکار لے آیا۔ تو یہ دوسرا شکار بھی اس کے لئے حلال ہے	وہی شکار حلال ہوگا۔ جس پر وہ کتا چھوڑا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور شکار اس شکار کی جگہ یا اس کے ساتھ لے آتا ہے تو وہ دوسرا شکار حرام ہے۔
(۷۳) دروئی خمر (تلچھٹ) اگر اس حد تک پی جائے کہ نشہ نہ پیدا ہو تو اس پینے والے پر حد نہیں جاری ہوگی۔	ضرور جاری ہوگی۔
(۷۴) تیر سے جانور شکار کیا گیا۔ ضرب کے اثر سے اس جانور کا کوئی عضو کٹ کر اس کے جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ تو اس جدا شدہ عضو کا کھانا جائز نہیں	جائز ہے
(۷۵) عقد رہن قبضے کے بعد نافذ ہوتا ہے۔	مجرد عقد کے بعد رہن کا حکم نافذ ہو جائیگا چاہے قبضہ جتنے دنوں کے بعد ہو۔
(۷۶) کوئی چیز کسی کے یہاں رہن رکھی گئی مرتہن کا اس چیز پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ چیز ہلاک یا ضائع ہو گئی۔ تو مرتہن اس مال مرہونہ کا ضامن قرار دیا جائے گا۔ اور راہن اس سے ضمان کا طالب ہو سکتا ہے۔	مرتہن کی حیثیت امانت دار کی ہے۔ اس لئے مال مرہونہ کے ہلاک و ضیاع کا وہ ضامن نہیں۔ راہن کو اس پر دعویٰ ضمان کا حق نہیں۔
(۷۷) رہن مشاع (نصف مکان یا چوتھائی زمین کا رہن) جائز نہیں۔	جائز ہے

عند الاحناف	عند المحدثین و شوافع وغیرہم
(۷۸) زیادۃ فی الرہن جائز ہے۔ مگر زیادۃ فی الدین جائز نہیں۔ مثلاً کسی نے ایک ہاتھ کا کنگن دس روپے پر رہن کر رکھا ہے۔ تو یہ کر سکتا ہے کہ دوسرے ہاتھ کا کنگن بھی اسی معاملے میں شامل کر دے۔ گویا وہ ایک کنگن دس روپے میں رہن نہ ہوا۔ دو کنگن دس روپے میں رہن ہوئے۔ مگر یہ نہیں جائز ہے کہ ایک کنگن پر دس روپے اور لے کر دس کو بیس بنا دیا جائے۔ البتہ دوسرے کنگن کا ایک الگ معاملہ رہن جائز ہے کہ دوسرا کنگن بھی دس روپے پر رہن ہے۔	بعض محدثین اور امام ابو یوسف کے نزدیک زیادۃ فی الدین بھی جائز۔ اور بعض محدثین اور امام شافعی اور امام آخر کے نزدیک نہ زیادۃ فی الرہن جائز ہے نہ زیادۃ فی الدین دو میں سے کوئی بھی جائز نہیں۔
(۷۹) قتل عمد میں قاتل کو دیت (خون بہا) دینے پر قاضی یا ولی مقتول مجبور نہیں کر سکتا۔	بعض محدثین کے اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق قاتل دیت پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک ولی مقتول پر معاملہ موقوف ہوگیا۔
(۸۰) قتل عمد میں کفارہ لازم نہیں ہے۔	لازم ہے۔
(۸۱) سمندر یا دریا، یا تالاب یا کنویں وغیرہ میں ڈبو کر کسی کو ہلاک کرنے والے سے قصاص جانی نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ قصاص مالی یعنی دیت لی جائیگی	قتل عمد کی وجہ سے قصاص جانی لیا جائے گا۔
(۸۲) اگر کوئی دیوانہ یا کسی کا کوئی جانور کسی پر حملہ کرے۔ جس سے اس کی جان کا خطرہ ہو۔ اور وہ اس کی مدافعت میں اس کو قتل کر دے۔ تو اس کو دیت دینی ہوگی۔ اور اس جانور کی قیمت ادا کرنی ہوگی	اس صورت میں کچھ بھی دینا نہ ہوگا۔
(۸۳) مقتول کے خوں بہا میں اس کے دوسرے وارثوں کی طرح بیوی یا شوہر کا بھی حق ہے۔	بعض محدثین اور مالکیہ کے نزدیک نہیں ہے
(۸۴) اگر دو آدمیوں نے کسی کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا۔ تو قصاص بدنی کسی سے بھی نہیں لیا جائے گا البتہ دونوں سے دیت وصول کی جائے گی۔	دونوں سے قصاص بدنی لیا جائیگا۔
(۸۵) کسی نے کسی کو زخمی کر دیا۔ تو زخم کے مندمل یا قریب الاندمال ہونے کا انتظار کیا جائیگا۔ اس کے بعد قصاص لیا جائے گا۔ اس خیال سے کہ یہ شاید یہ زخم مہلک ثابت ہو۔ تو پھر حکم بدل لیا جائے گا	انتظار کی کوئی ضرورت نہیں۔
(۸۶) باپ اگر بیٹے کو قتل کر دے تو بخیال اس کے کہ اس نے عمداً ایسا نہیں کیا ہوگا، اگر عمد کا انداز ملے بھی تو شبہ عمد کا حکم لیا جائے گا۔ اور دیت اس بیٹے کے دوسرے ورثہ کو دلوائی جائے گی۔ مگر مہلت زیادہ سے زیادہ تین برس تک کی دی جائے گی جیسے شبہ عمد میں نہیں دی جاتی ہے۔	شبہ عمد کا حکم اس وقت تک نہ ہوگا جب تک شبہ عمد نہ ہو۔ اس لئے دیت فوراً دلوائی جائیگی۔ مہلت نہیں دی جائیگی۔
(۸۷) گھوڑا، سائیکل موٹر پر دو سواریوں کے درمیان ٹکر ہو گئی۔ اور دونوں مر گئے۔ تو دونوں کے وارثوں پر دیت لازم آئے گی۔ اور پوری دیت۔	نصف نصف دیت لازم آئیگی۔
(۸۸) اگر کسی محلے میں کوئی مقتول پایا گیا۔ لیکن قاتل کا پتہ نہیں ملتا۔ تو اس محلے کے پچاس آدمیوں سے قسم کھلائی جائے گی کہ ہم نے نہ خود اس کو قتل کیا ہے۔ اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اگر محلے میں پچاس آدمی نہ ہوں، تو جتنے آدمی بھی ہوں ان سبھوں	اگر کوئی علامت ایسی پائی جائے۔ جس سے اہل محلہ پر شبہ کیا جا سکے تو ولی مقتول سے پچاس مرتبہ قسم کھلائی جائے گی (نہ کہ محلہ والوں سے) اگر وہی مقتول قسم کھا لیگا تو محلہ والوں سے اس کے بعد قسمیں

عند الاحناف	عند المحدثین وشوافع وغیرہم
سے مکرر حلف کر کر قسم کھلا کر پچاس قسموں کی گنتی پوری کی جائیگی۔ اگر سب قسم کھالیں گے تو سب سے دیت وصول کی جائے گی۔ اگرچہ ولی مقتول کا دعوی قتل عمد کا ہو۔ لیکن ولی مقتول سے قسم نہ لی جائیگی لیکن اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل محلہ میں سے جو قسم نہ کھائیگا اس کو قید کر دیا جائے گا اس وقت تک کہ یا تو وہ قسم کھائے کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں ورنہ قید ہی میں مرے۔	لی جائیں گی کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے۔ نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ اگر محلے والے قسم کھالیں گے تو بری کر دیئے جائیں گے۔ اور ان سے دیت وصول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر کوئی علامت ایسی نہ پائی جائے جس سے اہل محلہ پر گمان کیا جا سکے تو محلہ والوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائیگی۔ اگر پچاس آدمی نہ ہوں تو جتنے ہوں اتنی ہی قسمیں لی جائیں گی۔ تکرار قسم کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد اولیاء مقتول سے قسم لی جائیگی۔ اگر دونوں قسم کھالیں گے تو معاملہ ختم کر دیا جائے گا۔ (اسی کو قسامت کہتے ہیں)
(۸۹) حضرت عمرؓ نے ایک ایک سردار کے تحت ایک لشکر کے اسماء رجسٹری درج کرائے تھے۔ ان سرداروں کو ان کے لشکروں کے ساتھ اہل دیوان کہتے تھے جن کو دیت وصول کرنے کا حق ہے۔ اور جن لوگوں میں دیت تقسیم ہوگی۔ ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر مقتول اہل دیوان سے ہے تو اس کا عاقلہ ان کا سردار ہوگا۔ جو دیت وصول کرکے مقتول کے ورثہ میں تقسیم کرے گا۔	دیت وصول کرنے کا حق اولیاء مقتول کو ہے۔ اور وہی اہل خاندان میں اس کے عاقلہ ہیں۔
(۹۰) قاتل کے حق میں مقتول کی وصیت نافذ نہ ہوگی بجز اس کے کہ دوسرے ورثاء رضامند ہوں	ہوگی
(۹۱) صبی نابالغ کی وصیت ناقابل اعتبار ہے	قابل اعتبار ہے
(۹۲) اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو اس کے مکان سے متصل جس کے مکانات ہیں وہی سمجھے جائیں گے۔	محلہ کی مسجد جو محلہ دار اس کے ساتھ با جماعت نماز پڑھا کرتے تھے یا اس پاس کے چاروں طرف کے چالیس مکانات کے لوگ سمجھے جائینگے دس مکان ہر طرف کے
(۹۳) کسی نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی تو مولی غلام آزاد کردہ کو بھی کہتے ہیں، اور آقا کو بھی۔ اگر وہ وصیت کرنیوالا خود غلام آزاد کردہ کسی کا تھا۔ تو وہ اس کا مولی تھا اور پھر اس نے بھی ایک غلام خرید کر آزاد کیا تھا۔ وہ بھی اس کا مولی ہوا۔ ایسی وصیت مہمل اور لایعنی سمجھی جائے گی	دونوں کو برابر برابر اس وصیت میں سے حصہ ملے گا۔
(۹۴) اگر حلال گوشت میں حرام گوشت مل گیا اور حلال گوشت مقدار میں زیادہ تھا۔ تو ظاہر علامات رنگ و بو وغیرہ سے بظن غالب جو گوشت حرام کا معلوم ہو۔ اس کو آدمی نکال لے کہ حلال گوشت کی مقدار بھر رہ جائے۔ تو اب اس باقی حلال گوشت کو کھا سکتا ہے۔ اگرچہ حالت اضطرار نہ ہو۔	نہیں کھا سکتا۔ اور بحالت اضطرار تو حرام ہی صرف ہو جب بھی بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔

[ان مثالوں سے آپ نے دیکھ لیا کہ زندگی کے روزمرہ کے معاملات میں حنفی مسلمانوں میں اور اہل حدیث میں کس قدر فرق ہے۔ اب سوچئے کہ جب ان دونوں کا مطالبہ یہ ہو کہ ملک میں کوئی قانون ایسا نہ بنایا جائے جو سنت کے خلاف ہو۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں گروہ پاکستان کے قوانین کے بارے میں متفق ہیں؟ یاد رکھئے کہ جب پاکستان کا قانون شریعت کے مطابق بنے گا تو اوپر کی مثالوں میں پیش کئے ہوئے تمام معاملات قانونی اہمیت حاصل کر جائیں گے۔ یہ ہے "اتباع سنت" کے اس نعرے کی حقیقت جسے محض جذبات کے زور پر اس شد و مد سے پیش کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو سوچنے اور غور کرنے کی مہلت (بلکہ اجازت) ہی نہیں دی جاتی۔

طلوع اسلام کا مسلک اس باب میں یہ ہے کہ اگر پاکستان میں یہ شق رکھی جائے کہ اس کے قوانین کتاب اللہ کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے بنائے جائیں گے۔ اس کے بعد جب کوئی معاملہ پیش ہو جس کی بابت قانون بنانا ہو تو یہ دیکھ لیا جائے کہ قرآن کریم نے اس باب میں کیا حدود مقرر کی ہیں۔ ان حدود کو سامنے رکھ کر پھر دیکھ لیا جائے کہ اس باب میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا عمل کیا ہے۔ ان میں سے جو عمل ان حدود کے اندر موزوں بیٹھتا ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔ اگر ان میں سے کوئی طریق بھی حدود اللہ کے مطابق نہ ہو۔ یا وہ ہمارے زمانے کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو۔ تو اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہمارا اسلامی نظام خود ایک قانون مرتب کرلے۔ یہ قانون قرآن کے بھی مطابق ہوگا اور سنت کے بھی۔ سنت کے مطابق اس لئے کہ خود رسول اللہ نے بھی اپنے زمانے میں اسی طرح قوانین مرتب فرمائے تھے۔ اسی کا نام اتباع سنت یا خلافت علیٰ منہاج نبوت ہے۔ یہی کچھ خلفائے راشدین نے کیا تھا جو اتباع سنت میں سب سے پیش پیش تھے۔

لیکن اگر آپ اتباع سنت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کی تمام جزئیات میں پہلے سے طے شدہ فیصلوں کی اتباع کی جائے۔ تو پھر آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ مذکورہ بالا مثالوں میں سے کون سے فیصلے کو سنت کے مطابق قرار دیا جائے گا؟ طلوع اسلام]

طلوع اسلام کا
سالانہ چندہ
پاکستان میں دس روپے۔ ہندوستان میں پندرہ روپے
غیر ممالک میں ۲۵ شلنگ۔
ناظم ادارہ

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیب پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش ——— قیمت ——— بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی مثال۔ بڑی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات ——— قیمت ——— چار روپے

اسباب زوال امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو ستائیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے آٹھ آنے

مقام حدیث — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟

مزاج شناس رسول — اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۴ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۷ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔ قیمت قسم اول ——— چھ روپے، قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ ——— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ **ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳ - کراچی**

جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت —— ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی

(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳، کراچی

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳، کراچی

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سنہ ۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
سنہ ۱۹۵۰ء	نومبر
سنہ ۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
سنہ ۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
سنہ ۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
سنہ ۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام — کراچی

جمعیتِ اقوامِ متحدہ کے دس سال

جون ۲۰ سے ۲۶ تک کے ہفتے میں سان فرانسسکو کے مقام پر ساٹھ اقوام کے نمائندوں کا ایک فقید المثال اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع منشورِ اقوامِ متحدہ کی دسویں سالگرہ منانے کے لئے منعقد ہوا۔ اسی مقام پر دس سال پہلے پچاس اقوام کے نمائندے جمع ہوئے تھے۔ ۲۵ اپریل سے ۲۶ جون کے دو ماہ کی بحث و تمحیص کے بعد اقوامِ متحدہ کا منشور تیار تھا۔ متعلقہ ممالک کی حکومتوں نے کاغذاتِ تصدیق باضابطہ طور پر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو داخل کئے۔ چنانچہ اس دن سے منشورِ اقوامِ متحدہ نافذ العمل ہوا اور یہی دن یومِ اقوامِ متحدہ قرار پایا۔ اب دس سال کے بعد پہلی مرتبہ سان فرانسسکو کے مقام پر منشورِ اقوامِ متحدہ کی دسویں سالگرہ منائی گئی ہے۔

سان فرانسسکو کا پہلا اجتماع جس نے اقوامِ متحدہ کو جنم دیا، دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمے پر منعقد ہوا تھا۔ اہلِ دنیا پہلی جنگ کے صدمے سے بمشکل عہدہ برآ ہوئے تھے کہ دوسری جنگ نے ان کو آ لیا۔ جنگ کے چھ سات سال عجیب قیامت تھے۔ اس دوران میں تباہی و ہلاکت کا پھیلنا تو قابلِ فہم تھا ہی، اس کے اثرات سے آج تک گلوخلاصی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس قیامت سے نظامِ ہست و بود درہم برہم ہو گیا۔ لیکن بادلوں کی طرح اٹھنے والے گرد و غبار کے نیچے سے ایک تازہ چشمہ بھی پھوٹا۔ یہ چشمہ اقوامِ متحدہ کے نام سے موسوم ہوا۔ پہلی جنگ کے مضرات کا تجزیہ کرتے ہوئے اقبال نے لکھا تھا کہ "تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔" فطرت یقیناً نئے آدم اور نئی دنیا کی تعمیر میں مصروف ہے لیکن اس تعمیر کو تخریب کے کن کن مراحل سے گذرنا ہوگا، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تخریب کا عمل بے پناہ تو ایک عرصے سے جاری ہے۔ لیکن اب شاید یہ کہنا بے محل نہیں ہوگا کہ تعمیر کا عمل۔ اقوامِ متحدہ کی صورت میں۔ شروع ہو گیا ہے۔ یہ عمل بڑا سست ہے، اس حد تک کہ اسے دیکھ کر امید سے کہیں زیادہ یاس ابھرتی ہے لیکن جو نگاہیں ان عوامل کا جائزہ لے سکتی ہیں جو زیرِ سطح پرورش پا رہے ہیں وہ اس ظلمتِ یاس میں امید کی روشن کرن مستور دیکھتے ہیں۔

بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اقوامِ متحدہ کا منشور اس ذہنیت کا شرمندۂ تخلیق ہے جو مختلف قوموں کے باہم تضادات کو ابھرتی اور ڈھلتی چلی آئی ہے۔ پہلی عالمگیر جنگ نے اس قالب کو خصوصیت سے نمایاں کر دیا۔ اقبال کے الفاظ میں وہ ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس رستخیز نے افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت پیدا کر دی لیکن یہ کہنا غلط نہیں کہ اس نے اس کی طرح ضرور ڈال دی۔ مرحوم جمعیتِ اقوام ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو معرضِ وجود میں آئی۔ اس کی تخلیق قومیت کو بین الاقوامیت سے ہم آہنگ کرنے کی پہلی کوشش تھی۔ یہ اس کی خوبی تھی لیکن اسی خوبی میں اسکی خرابی کی صورت بھی مضمر تھی۔ ذہنِ انسانی اس وقت عالمگیر انسانی تصور کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک جنگِ عظیم اس ذہن پر عالمگیریت کا نقش مرتسم کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ جانے ایسے کتنے جھٹکے اور لگیں گے اور ذہنِ انسانی اس تصور کو قبول کرے گا۔ بہرحال جمعیتِ اقوام (League of nations) نے اپنا مقصد اپنے ارکان کی سیاسی آزادی اور علاقائی سالمیت کا تحفظ قرار دیا لیکن اس تحفظ کے لئے قوت کے استعمال کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہ کیا گیا اور یہ عدم احساس اس ادارے کی کمزوری کا باعث بن گیا۔ جمعیتِ اقوام کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے ارکان نے جمعیت کو امن کی بحالی یا اس کی برقراری کا نہیں بلکہ صرف بین الاقوامی معاہدات کے احترام کا ذریعہ سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت بین الاقوامی سیاست میں موثر حربۂ امن ثابت نہ ہو سکی۔ مزید برآں امریکہ کی عدم شمولیت سے اس کی عالمی حیثیت کو بڑا صدمہ پہنچا۔

لیگ آف نیشنز دم توڑ رہی تھی کہ ۱۹۳۹ء میں یعنی اس کی پیدائش کے انیس سال بعد ایک اور قیامت خیز زلزلہ آیا۔ یہ زلزلہ اپنے پیشرو زلزلے سے کہیں زیادہ شدید تھا۔ اس سے دنیا ایک ایسے نئے دور میں داخل ہو گئی جس نے اس کے تقاضوں کو یکسر بدل دیا۔ یہ دور اٹیم کا دور تھا۔ وہ اٹیم جس نے انسانیت کے لئے تباہی کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ ابھی اطراف و اکناف میں آگ برس رہی تھی اور انسانوں کی بستیوں کی بستیاں غارت ہو رہی تھیں کہ ۱۲ جون ۱۹۴۱ء کو برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور جنوبی افریقہ، جرمنی کے مقبوضہ ممالک بلجیم، چیکوسلوواکیہ، یونان، لکسمبرگ، ہالینڈ، ناروے، پولینڈ، یوگوسلاویہ کی جلاوطن حکومتوں اور فرانس کے جنرل ڈیگال نے ایک "اعلانِ لندن" شائع کیا۔ اس میں انھوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ ایک دوسرے اور دیگر آزاد اقوام کے ساتھ مل کر ایک ایسی پر امن دنیا کی تعمیر کے لئے کام کریں گے جو جارحیت کے خطرے سے پاک ہو۔

اس اعلان کے کوئی دو ماہ بعد یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۱ء کو صدر روز ویلٹ اور وزیرِ اعظم چرچل نے مشہور منشورِ اوقیانوس (Atlantic charter) شائع کیا۔ اس میں تحریر تھا کہ "نازی استبداد کے استیصال کے بعد وہ امن کی ایسی فضا قائم کرنے کی توقع کرتے ہیں جو تمام قوموں کو موقع دے کہ وہ بھی بعافیت تمام رہیں اور تمام ملکوں کے باشندوں کو یہ ضمانت دے کہ وہ ہر قسم کے خوف اور احتیاج سے محفوظ زندگی بسر کریں۔" اس منشور میں قوت کے استعمال کے ترک کی بھی خواہش کی گئی تھی نیز جارحیت کی روک تھام کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ جب تک عمومی تحفظ کا کوئی وسیع اور مستقل انتظام نہیں ہو جاتا ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے پر امن اقوام پر سے اسلحہ کا بوجھ کم ہو جائے۔ جنگ کے امکانات ختم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ تمام قوموں میں ایسا معاشی تعاون پیدا کر دیا جائے کہ اس سے ہر جگہ معیارِ زیست بلند ہو اور معاشرتی تحفظ کے سامان پیدا ہوں۔

جو قومیں جرمنی، اٹلی اور جاپان کے خلاف صف آرا ہوئیں انھوں نے اپنے آپ کو متحدہ اقوام کا نام دیا۔ یہ نام صدر روز ویلٹ نے اس وقت تجویز کیا جب جاپان بھی اچانک طور پر جنگ میں آ دھمکا اور اس کے خلاف امریکہ کے شریکِ جنگ ہو جانے سے جنگ صحیح معنوں میں عالمگیر جنگ بن گئی۔ ان متحدہ اقوام نے یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو واشنگٹن سے ایک اعلان جاری کیا۔ اس کے مطابق انھوں نے یہ عہد کیا کہ وہ دنیا کو مغلوب کرنے کی داعی اقوام کے خلاف اس وقت تک مشترکہ طور پر نبرد آزما رہیں گی جب تک انہیں کچل نہیں دیا جاتا۔ نیز یہ کہ وہ اپنے حلیفوں کو چھوڑ کر ان ظالم اقوام سے علیحدہ معاہدہ نہیں کریں گی۔ اس اعلان پر ۲۶ قوموں کے دستخط ثبت تھے اور چونکہ اس میں نئے حلیفوں کے لئے گنجائش چھوڑی گئی تھی اس لئے رفتہ رفتہ مزید ۲۱ قوموں یعنی کل ۴۷ قوموں نے اس پر دستخط کر دیئے۔

جنگ کی آگ تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور جرمنی، جاپان، اٹلی کی مخالف قوموں میں تمام تر توجہ جنگ پر مرکوز کرنے کا جذبہ بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ ان کے نمائندے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آپس میں ملتے اور نئے عہد و پیمان باندھتے۔ ان میں فتح حاصل کرنے کا عزم بھی ہوتا اور یہ احساس بھی کہ جنگ کے بعد ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے عالمگیر نقضِ امن آسان نہ رہے۔ چنانچہ یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء کو روس، امریکہ، برطانیہ اور چین کے وزرائے خارجہ ماسکو میں جمع ہوئے۔ انھوں نے یکم نومبر کو اعلانِ ماسکو جاری کیا۔ ایک ماہ بعد یعنی یکم دسمبر کو صدر روز ویلٹ، مارشل سٹالن اور وزیرِ اعظم چرچل نے اعلانِ طہران جاری کیا۔ ہر دو اعلانات کا مفہوم یہی تھا کہ اقوامِ متحدہ جنگ میں بھی اکٹھی رہیں گی اور جنگ کے بعد امن کے دور میں بھی تاکہ امن کو دوام بخشا جا سکے۔

سطورِ بالا سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دوسری جنگ بحر و بر و فضا میں ہی لڑی نہیں جا رہی تھی بلکہ اس کا ایک اور میدان تھا اور وہ تھا قلبِ انسانی۔ اگر جنگ کا میدان محض خارج میں ہوتا تو اس کے تقاضے مختلف ہوتے اور ان تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے طریقے بھی مختلف ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے بچاؤ اور تحفظ کے طبعی جذبے کے ساتھ ساتھ قلبِ انسانی

ہے یہ تصور بھی ابھر رہا تھا کہ انسانیت کی ترقی کے لئے محض جنگیں نہیں ہونی چاہئیں بلکہ امن کی ایسی مستقل فضا قائم ہونی چاہئے جو افراد انسانیہ کی عافیت کی ضامن ہو۔

اس تصور کے خدوخال واشنگٹن میں ڈمبرٹن اوکس کی عمارت میں صاف طور پر سامنے آئے۔ وہاں امریکہ، برطانیہ، روس اور چین کے نمائندے ۲۱ اگست سے ۷ اکتوبر ۱۹۴۴ء تک مصروف غور و خوض رہے۔ بالآخر انھوں نے ایک عالمی ادارے کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے لئے یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن (U.N.O.) یعنی جمعیت اقوام متحدہ کا نام تجویز ہوا۔ اس خاکے کے مطابق تحفظ امن کے لئے کلیدی جماعت سلامتی کونسل کو قرار دیا گیا اور پانچ بڑوں کو مستقل ارکان کا درجہ دیا گیا۔ اس کی مزید تفاصیل پر یالٹا کے مقام پر صدر روزویلٹ، مارشل سٹالن اور وزیر اعظم چرچل نے مزید غور کیا۔ انھوں نے ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کو اعلان کیا کہ انھوں نے اپنے اتحادیوں سے مل کر تحفظ امن کے لئے ایک بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ بھی طے کیا ہے کہ متحدہ اقوام کی کانفرنس ۲۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو سان فرانسسکو کے مقام پر منعقد ہو اور مجوزہ جمعیت کا منشور تیار کرے۔

سان فرانسسکو کانفرنس میں جو منشور اقوام متحدہ تیار ہوا اس میں اقوام متحدہ کے باشندوں نے مصمم عہد کیا کہ وہ آنے والی نسلوں کو اس جنگ کی لعنت سے بچائیں گے جو ان کی زندگی میں دو مرتبہ نوع انسانی میں لاانتہا مصائب نازل کرنے کا باعث بن چکی ہے۔ انھوں نے یہ بھی عہد کیا کہ سوائے مشترکہ مفاد کے تحفظ کے فوجی قوت کا کہیں استعمال نہیں کریں گے اور اہل دنیا کی معاشی اور معاشری بہبود کے لئے بین الاقوامی ذرائع اختیار کریں گے۔

آج اس عزم کا اظہار کئے دس سال گذر چکے ہیں۔ قلب انسانی میں ایک نئے انقلاب کا خمیر تیار کرنے اور اسے حوالی میں متشکل کرنے کے لئے یہ عرصہ آج کی برق رفتار دنیا میں بھی آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا اقوام متحدہ کی کارگزاری کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس حقیقت کو خصوصیت سے نگاہ میں رکھنا ہوگا۔ جو لوگ معجزوں کی توقع کرتے تھے وہ اقوام متحدہ کی دس سالہ زندگی پر نگاہ بازگشت ڈال کر یقیناً مایوس ہوں گے اور اس مایوسی کا عموماً مظاہرہ بھی کیا گیا ہے۔ لیکن جن نگاہوں کو یہ دیکھنے کی توفیق ارزانی ہوتی ہے کہ ایک پھول کو سر شاخ کھلنے کے لئے تنگنائے شاخ میں کس کس پیچ و تاب سے گزرنا پڑتا ہے وہ دور کے مستقبل پر بھی ہوتی ہیں۔ وہ نگہیں انسانیت میں کوئی پھول نہ دیکھ کر مایوس نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ جانتی ہیں کہ اس درخت کی ساری قوتیں پھول بنانے میں لگی ہوئی ہیں اور جب ظہور نتائج کا وقت آئے گا تو یہ درخت پھولوں سے لد جائیگا۔

اقوام متحدہ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کیلئے ہمیں اسے دو پہلوؤں سے دیکھنا ہوگا۔ ایک پہلو سیاسی ہے۔ اس میدان میں اقوام متحدہ کوئی قابل فخر کارنامہ پیش نہیں کر سکتی۔ اس دوران میں جنوبی افریقہ نے صریحاً اس کی نافرمانی کی۔ اسرائیل نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔ ہندچینی میں اسے پس پشت ڈال دیا گیا۔ یہ ہندوستان کو کشمیر کے معاہدہ استصواب رائے پر مجبور نہ کر سکی۔ چھوٹی قوموں کو شکایت رہی کہ جمعیت بڑی قوموں کی سیاست قوت کی آماجگاہ بن کے رہ گئی ہے۔ کمیونسٹ ممالک نے اسے امریکہ کی لونڈی کہا۔ استعماری ممالک نے اسے اپنے معاملات میں مداخلت سے باز رکھا اور تو اور یہ اپنی ایک مشترکہ فوج بھی تیار نہ کر سکی جس سے امن عالم کا تحفظ کیا جا سکتا۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ دوسرا اور روشن رخ یہ ہے کہ تنازعات اور کشیدگی کے باوجود اقوام متحدہ کو ناگزیر سمجھا گیا اور کئی نمائندگان قوم کا اضطراب اور غصہ آتش فشاں لاوے کی طرح میدان جنگ میں نکلنے کی بجائے اسمبلی کے ایوانوں میں صرف ہو جاتا رہا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے جمعیت مباحثہ کا بین الاقوامی کلب بن گئی لیکن اس سے جنگ کا خطرہ ٹلنے کے آثار پیدا ہو گئے۔ کوریا کی جنگ اس اعتبار سے عجیب تھی کہ اس کا ایک فریق اقوام متحدہ تھی اور اسی کا ایک رکن یعنی روس فریق مخالف کی مدد کرتا رہا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جمعیت کا جنگ میں شریک ہونا امریکہ کی وجہ سے تھا۔ یہ ٹھیک لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اقوام متحدہ نے جنگ سازی اور جارحیت کا مقابلہ کر کے اسے ایک حد تک روک دیا۔ اگر اقوام متحدہ کوریا کی جنگ میں ایک فریق نہ بنتی تو یہ جنگ مقامی رہنے کی بجائے بین الاقوامی بن گئی ہوتی۔ اب بھی اگر اقوام متحدہ کو اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود درمیان سے نکال دیا جائے تو دنیا متحارب فریقوں میں بٹ جائیگی اور امن عالم دیکھتے دیکھتے خاکستر ہو جائے گا۔

اقوام متحدہ کی سیاسی ناکامیوں کو دیکھنے والے یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ غیر سیاسی میدان میں جمعیت نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ یہ جمعیت کی سرگرمیوں کا دوسرا پہلو ہے جس پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ اقوام متحدہ کے ماہرین — مرد اور عورت — دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچے ہوئے ہیں اور جہالت، افلاس اور بیماری کے خلاف مصروف کار ہیں۔ بعض عالمی اعداد و شمار بڑے جگر پاش ہیں۔ مثلاً انسانوں کی اکثریت ابھی ناخواندہ ہے اور کم و بیش تیس کروڑ انسان ملیریا کا شکار ہیں۔ انسانی آبادی میں ہر روز ایک لاکھ کا اضافہ ہوتا ہے لیکن اس کے ۹۰ کروڑ بچوں میں سے کوئی دو تہائی ضروری خوراک سے محروم رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی جسمانی اور ذہنی تربیت رک جاتی ہے۔ جہالت، غربت اور بیماری پہلے بھی اس سے کم نہیں تھی لیکن اب جو ان کا شکار ہیں وہ اس حقیقت سے باخبر ہو گئے ہیں کہ ایسے ترقی یافتہ ممالک ہیں جہاں کے خوش قسمت باشندے اس عذاب سے محفوظ ہو چکے اور انھوں نے اپنی زندگیاں بہتر اور خوشگوار بنالی ہیں۔ وہ انھیں حسرت سے دیکھتے ہیں لیکن حالات کی وجہ سے مجبور ہیں اور کچھ کر نہیں پاتے۔ لیکن ان کی یہ مجبوری کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے کیونکہ اقوام متحدہ کے نمائندے ان کی خدمت اور مدد میں لگے ہوئے ہیں۔ ہنوز ان کوششوں کا آغاز ہے لیکن اس سے دور رس نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان کوششوں کا علم رکھنے والے کبھی یہ گوارہ نہیں کریں گے کہ انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی معطل کر دیا جائے چہ جائیکہ انھیں ختم کر دیا جائے۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو اقوام متحدہ کی کمزوری یہ نہیں کہ وہ دول عظمیٰ کی لونڈی بن کے رہ گئی ہے بلکہ آزاد اقوام کا ادارہ ہونے کی وجہ سے وہ ارکان ممالک کے معاملات میں پوری ذمہ داری سے مداخلت نہیں کر سکتی۔ جب تک قومی آزادی برقرار ہے اقوام متحدہ کی یہ کمزوری باقی رہیگی۔ لہٰذا اقوام متحدہ کے نگہبانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ قوموں کے دل سے اس مطلق آزادی کا خبط نکالیں اور انھیں ایک عالمی حکومت کے لئے تیار کریں جسے امن کی بحالی کے لئے جنگ نہ کرنا پڑے بلکہ وہ اپنی پولیس کی مدد سے حالات پر قابو پائے اور سائنس کی انقلاب انگیز ایجادات کو انسانیت کی تباہی کا ذریعہ بنانے کی بجائے انسانی بہبود و ترقی کا سامان بنائے۔ اقبال کے الفاظ میں اس ادارے کا مقصد جمعیت آدم ہونا چاہئے نہ کہ جمعیت اقوام۔ جب تک انسانی شعور میں ایسا انقلاب نہیں آ جاتا اور وہ اقوام کی بجائے انسانی سطح پر سوچنے کی استعداد پیدا نہیں کر لیتا جمعیت اقوام متحدہ جیسے ادارے کی ضرورت اپنی خامیوں کے باوجود ناگزیر رہے گی۔ اور ان خامیوں کا ازالہ بھی اس انقلاب سے پہلے ممکن نہیں۔

سنت رسول اللہ ﷺ

کا پمفلٹ چھپ چکا ہے اور اب تک جو فرمائشیں آئی تھیں ان سب کو پورا کیا جا چکا ہے۔ جن اصحاب کو ضرورت ہو وہ بہت جلد طلب کریں۔

قیمت فی نسخہ ۲ر بمعہ محصول ڈاک

ترجمان

بزم طلوع اسلام

پوسٹ بکس ۳۱۳ کراچی

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ھیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ھے ۔ ظاھر ھے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ھوگا اسی قدر قرانی فکر عام ھوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا ۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ھے ۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماھانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ھوجائے ۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ھمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سھولت مل جائیگی ۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی ۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ھوئے تو اب شامل ھوجائیے ۔

* پہلے ماھانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ھے ۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاھیں وہ دے سکتے ھیں ۔

★ ★ ★

قرانی دستور پاکستان

نئی مجلس دستور پاکستان معرض وجود میں آگئی ھے ۔ وہ پاکستان کے لئے کونسا آئین بنائیگی؟ پاکستان کا آئین کیا ھونا چاھئے؟ اسلامی آئین کیا ھے؟ ملا کا آئین کا تصور کیا ھے؟ حکومت کا کیا؟ قرآنی دستور پاکستان کیا ھے؟
ان مباحث کا جامع مجموعہ

صفحات ۲۲۴	قیمت اڑھائی روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

فالتو روپیہ

تمام خرابیوں کی جڑ ھے۔

جسکے پاس "فالتو روپیہ" ھے وہ اسے چھپائے چھپائے پھرتا ھے تاکہ کوئی چھین نہ لے۔ وہ جیب میں رکھتا ھے تو جیب کترا نکالنے کی کوشش کرتا ھے۔ کیش بکس میں چور نقب لگا لیتا ھے۔ بنک میں ٹیکسوں والے گھیر لیتے ھیں۔ یہاں سے کچھ بچے تو "نذرانے" والے آموجود ھوتے ھیں۔

قرآن کسی کی جیب سے روپیہ نہیں نکالتا۔

وہ اس کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتا ھے کہ وہ فالتو روپیہ

معاشرہ کے حوالے کردیتا ھے۔

یہ انقلاب کیسے واقع ھوتا ھے؟

اس کی داستان کے لئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

عہد حاضرہ کی عظیم کتاب۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھہ روپے

قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲۷ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM